ISSN: 2321-8339

جنوری۔مارچ ۲۰۱۸ء

ادارہ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

ملک کے موجودہ حالات میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل

سید جلال الدین عمری

عقیدۂ اعجازِ قرآن کی تاریخ

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی

ایران میں عطّار شناسی

محترمہ لیلیٰ عبدی بختہ

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا قیام

ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیّب

امام طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان

ڈاکٹر احسان اللہ فہد

مصادرِ سیرت پر ایک نظر

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری / ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

تعارف وتبصرہ

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی کی

اہم مطبوعات

معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	110.00
اسلام۔ ایک نجات دہندہ تحریک	مولانا سلطان احمد اصلاحی	90.00
عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی	مولانا سلطان احمد اصلاحی	125.00
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل	مولانا سلطان احمد اصلاحی	80.00
اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	140.00
قرآن، اہل کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	70.00
گھریلو تشدد اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	30.00
حقائق، اسلام۔ بعض اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	56.00
حضرت ابراہیم۔ امام انسانیت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	85.00
ہم جنسیت کا فتنہ	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	28.00
احیائے اسلام: مفہوم۔ مسایل، تقاضے	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	85.00
قرآن مجید اور مستشرقین	مولانا محمد جرجیس کریمی	72.00
اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے	مولانا محمد جرجیس کریمی	34.00
اسلام کی امتیازی خصوصیات	مولانا محمد جرجیس کریمی	100.00
سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	130.00
ملت اسلامیہ کے اختلافات	مولانا ضمیر الحسن فلاحی	65.00
قیامِ امن اور اسلام	مولانا کمال اختر قاسمی	100.00

ملنے کے پتے:

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جنوری ـــــــــ مارچ ۲۰۱۸ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ـ ۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۷ شمارہ: ۱

ربیع الثانی ـــــــــ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ

جنوری ـــــــــ مارچ ۲۰۱۸ء

- مجلہ کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر لوڈ کر دیے گئے ہیں۔
- مقالہ نگار حضرات اپنے مقالات صرف tahqeeqat@gmail.com پر ارسال کریں۔
- انتظامی امور سے متعلق رابطہ کے ذرائع:

موبائل: 09720357820،09897746586

ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.co

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۴۰ روپے
سالانہ	۱۵۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۶۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں و ادارے)	۲۰۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰ امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۲۵ امریکی ڈالر

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵ امریکی ڈالر
سالانہ (ادارے)	۳۰ امریکی ڈالر

طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی ـ ۶ سے چھپوا کر ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

ملک کے موجودہ حالات میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل	سید جلال الدین عمری	۵

تحقیق و تنقید

عقیدۂ اعجازِ قرآن کی تاریخ	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی	۱۳
ایران میں عطّار شناسی	محترمہ لیلیٰ عبدی خجستہ	۲۵

بحث و نظر

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا قیام	ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیّب	۴۹

سیر و سوانح

امام طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان	ڈاکٹر احسان اللہ فہد	۷۱

ترجمہ و تلخیص

مصادرِ سیرت پر ایک نظر	ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری مترجم: ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری	۸۷

تعارف و تبصرہ

اسماء حسنیٰ	جناب محمد تحسین زماں	۱۱۳
سفرِ جمال	جناب محمد عبدالحی	۱۱۵
ڈاکٹر محمود احمد غازی	جناب مجتبیٰ فاروق	۱۱۶

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۲۲)	ادارہ	۱۱۹
مضامین کا انگریزی خلاصہ		۱۲۱—۱۲۸

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی

پروفیسر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

asislahi@gmail.com

۲۔ محترمہ لیلیٰ عبدی خجستہ

پی ایچ ڈی (اردو) سندھ یونی ورسٹی، جام شورو، حیدرآباد (پاکستان)

lailaabdikhojaste@gmail.com

۳۔ ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیّب

گورنمنٹ عارف ہایر سیکنڈری اسکول مصطفیٰ آباد، لاہور (پاکستان)

hafiztayab@gmail.com

۴۔ ڈاکٹر احسان اللہ فہد

ایسوسی ایٹ پروفیسر دینیات، ویمنس کالج، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

e.fahad1970@rediffmail.com

۵۔ ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

رکن، لجنۃ احیاء التراث العلمی، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ قطر

۶۔ ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

پروفیسر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

prof.umari@rediffmail.com

۷۔ جناب محمد تحسین زماں

گیسٹ لیکچرر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ

mtzjamai@gmail.com

۸۔ جناب محمد عبدالحی

D-307۔ ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

makkiabdulhai@gmail.com

۹۔ جناب مجتبیٰ فاروق

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

mujtabafar@gmail.com

۱۰۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

حرفِ آغاز

ملک کے موجودہ حالات میں

امتِ مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل

ـــــــــــــــــــ سید جلال الدین عمری

امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے موجودہ حالات میں ملک کے مختلف مقامات پر مسلمانوں سے خطاب کیا۔ انھوں نے امت کے مسائل پر روشنی ڈالی اور ان کے حل کی تدابیر بیان کیں۔ ان خطابات کے اقتباسات سے یہ مضمون ترتیب دیا گیا ہے۔ مولانا کی نظرِ ثانی کے بعد اسے افادۂ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (رضی الاسلام)

موجودہ حالات کی جب ہم بات کرتے ہیں تو عام طور پر ہمارے سامنے سیاسی حالات ہوتے ہیں۔ یہ حالات سب کے سامنے ہیں۔ ملک کے حالات بھی اور پوری دنیا کے حالات بھی ۔ سیاسی حالات کہیں بھی امت کے حق میں ساز گار نہیں ہیں۔ امریکہ ہو، یورپ ہو، افریقہ ہو، ایشیا ہو، آپ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کہیں بھی اسلام کے لیے اور امت مسلمہ کے لیے حالات سازگار ہیں۔ مغربی ممالک انسان کے حقوق کا دعویٰ کرتے ہیں اور انسانوں کی آزادی کی بات کرتے ہیں، لیکن آپ دیکھیں گے کہ ان ممالک میں اسلام کو زبردست خطرے کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ دنیا میں جو بھی غلط واقعہ ہوتا ہے وہ مسلمانوں کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد یا ان ممالک کے ایجنٹوں کے ذریعہ دہشت گردی کرائی جاتی ہے اور اس کی نسبت مسلمانوں کی طرف ہونے لگتی ہے، بلکہ آگے بڑھ کر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اسلامی تعلیمات کی وجہ سے ہے۔ اسلام لوگوں میں دہشت پھیلاتا ہے، خوف اور اندیشہ کا ماحول پیدا کرتا ہے، دیگر قوموں کے خلاف جذبات ابھارتا اور ان سے جنگ کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ اس

طرح آپ دیکھیں گے کہ اسلام کے حق میں کہیں بھی فضا نہیں ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فضا پیدا کرنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ دہشت گردی کے جتنے بھی واقعات پیش آتے ہیں، تقریباً ان سب میں مسلمانوں ہی کو ملزم قرار دیا جاتا ہے۔ اس وقت مسلمان جن اہم مسائل سے دوچار ہیں ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اور ان کے سلسلے میں اسلام کے موقف کی وضاحت بھی ہوگی۔

ا۔ امت کا تحفظ اور بقا

ملک میں آج سے نہیں، ایک طویل عرصہ سے مسلمانوں کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ ان کے تحفظ اور بقا کا رہا ہے۔ وہ خود کو خطرات میں گھرا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ اگر کوئی فرد یہ سمجھے کہ اس کی جان، مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں ہے تو وہ خوف کی حالت میں زندگی گزارے گا۔ ترقی کے دروازے اس کے لیے بند ہو جائیں گے۔ اسی طرح جب کوئی قوم عدم تحفظ کے احساس سے دوچار ہو تو اس کی توانائی اپنی بقا کی فکر میں صرف ہوگی۔ ترقی کی تدابیر اختیار کرنا اس کے لیے دشوار ہوگا۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان عدم تحفظ کے احساس سے نکلیں۔ وہ ناسازگار حالات میں بھی جینے کا حوصلہ پیدا کریں۔ وہ حالات کے ناموافق ہونے کا شکوہ نہ کریں، بلکہ انہیں اپنے حق میں موافق بنانے کی سعی کریں۔ اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں دستوری لحاظ سے ہر فرد کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ ایک فرد اور دوسرے فرد کے درمیان مذہب، زبان، پیشہ اور جنس کی بنیاد پر فرق ازروئے قانون غلط ہے۔ اسی طرح ہر مذہبی اور تہذیبی اکائی برابر کے حقوق رکھتی ہے۔ کسی کا حق دوسرے سے زیادہ یا کم نہیں ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ وہ ہر فرد اور ہر گروہ کو اس کے حقوق فراہم کرے۔ اگر آپ کو یہ حقوق حاصل نہیں ہیں تو انہیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اس میں کوتاہی ہو تو حکومت کو اس کی ذمہ داری یاد دلائیں اور رائے عامہ کے ذریعہ اس پر دباؤ ڈالیں۔

ملک میں ایسا ماحول بنائیں کہ یہاں ہر فرد کے حقوق محفوظ ہوں اور اس کے

ساتھ مساوی سلوک ہو۔اس ملک کی اکثریت قانون کی بالا دستی چاہتی ہے، اقلیتوں کے دستوری حقوق کی حمایت کرتی ہے۔اس طرح کی تنظیمیں اور ادارے بھی ہیں جو ظلم وزیادتی اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ان کی تائید اور حمایت آپ کو حاصل ہوسکتی ہے۔

۲۔تعلیمی پس ماندگی

مسلمانوں کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ وہ تعلیمی لحاظ سے پس ماندہ ہیں۔تعلیم ہی سے انسان ترقی کرتا ہے۔آج کے دور میں آدمی جس شعبہ میں بھی کام کرنا چاہے، اس کی وسیع معلومات اور واقفیت اس کے لیے ضروری ہوگی۔اس کے بغیر کوئی اچھا کاروبار بھی نہیں کیا جاسکتا۔اگر کوئی انڈسٹری چلانا چاہے تو اس کے لیے اور زیادہ معلومات درکار ہوں گی۔ پھر علم ہی سے آدمی کو سوسائٹی میں عزت بھی ملتی ہے۔کسی شخص سے لوگ خوف تو کھا سکتے ہیں، لیکن اسے عزت و احترام کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ عزت واحترام انسان کو علم سے حاصل ہوتا ہے۔یہی معاملہ قوموں کا ہے۔جو قوم تعلیم کے میدان میں پیچھے ہو اس کے لیے ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اور دنیا کی قوموں میں اس کا وزن بھی نہیں محسوس کیا جاتا۔

تعلیم کے معاملہ میں ہمارا انحصار حکومت کے اداروں پر ہے، یا ان اداروں پر ہے جو حکومت ہی کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ان سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔ان سے الگ رہ کر جدید علوم کی کسی بھی شاخ میں پیش رفت نہیں ہوسکتی۔ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ان اداروں کی اساس سیکولر نظریات پر ہے۔دین سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ان اداروں میں بچہ نرسری سے لے کر کالج اور یونی ورسٹی تک تعلیم پانے کے باوجود دین سے بے بہرہ رہتا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اداروں میں تعلیم پانے والے بچے کم از کم دین کی بنیادی باتوں سے واقف ہوں۔انہیں اللہ کی ذات وصفات کا علم ہو، وہ جانیں کہ اللہ کے رسول کون ہیں؟اور ان پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کی ہدایت آخری ہدایت ہے۔وہ جانیں کہ نماز کیا ہے؟روزہ کیا ہے؟ زکوٰۃ اور حج کیا ہے؟ماں باپ کا حق کیا ہے؟بیوی بچوں کا حق کیا

ہے؟ رشتہ داروں کے ساتھ کس طرح کا سلوک ہونا چاہیے؟ پڑوسیوں کے ساتھ اور ملنے جلنے والوں کے ساتھ اور ہر ایک کے ساتھ ہمارا اخلاق کس طرح کا ہونا چاہیے؟ ان سب باتوں کی دین دار گھرانوں میں ماں باپ اور بزرگوں کے ذریعہ تربیت حاصل ہوتی تھی، لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ ماں باپ کو اولاد کی تربیت کی طرف توجہ کی فرصت نہیں ہے۔ وہ اس کی اہمیت بھی محسوس نہیں کر رہے ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ پہلے تک مساجد میں صباحی یا شبینہ مدارس کا نظم تھا، جہاں بچوں کو ابتدائی دینی تعلیم حاصل ہوتی تھی، لیکن اب یہ نظم ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اسے بحال کرنے اور وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ بعض دینی ادارے بھی امت کی نئی نسل کی تعلیم کا انتظام کر رہے ہیں۔ ان اداروں کو باقی رہنا چاہیے اور مزید ادارے قائم ہونے چاہئیں۔ اس میں شک نہیں کہ حکومت کی لازمی تعلیم کی اسکیم کی وجہ سے ان اداروں کی راہ میں دشواریاں ہیں۔ حکومت کے نزدیک وہ تسلیم شدہ بھی نہیں ہیں۔ اس طرح کی اور بھی رکاوٹیں ہیں۔ ان پر قابو پانے کی کوشش کرنی ہوگی۔

۳۔ معاشی پس ماندگی

مسلمان اس ملک میں معیشت کے میدان میں بہت کم زور ہیں۔ جو قوم معاشی لحاظ سے کم زور ہو وہ زندگی کے اعلیٰ مقاصد پر سوچ نہیں پاتی۔ اگر کوئی شخص تنگ دست ہے، دو وقت کی روٹی کا محتاج ہے، اپنا علاج نہیں کرا پا رہا ہے، اس کے بچوں کی تعلیم نہیں ہو رہی ہے، اس کے سامنے آپ اقامت دین اور صالح انقلاب کی بات کریں تو آپ کی بات صد فی صد صحیح ہونے کے باوجود اس کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا سکے گی۔

مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشی پس ماندگی محض دعویٰ نہیں ہے، بلکہ خود حکومت کی قائم کردہ کمیٹیاں اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں رنگ ناتھ مشرا کی رپورٹ پیش ہوئی۔ اس کے بعد سچر کمیٹی کی رپورٹ سامنے آئی۔ ان میں کہا گیا ہے کہ مسلمان کئی معاملات میں دلت طبقات سے بھی پیچھے ہیں۔ مسلمان بنگال میں ستائیس (۲۷) فی صد ہیں لیکن سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب چار (۴) فی صد بھی نہیں ہے۔ تقریباً یہی

صورت حال دوسری ریاستوں کا بھی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو مستقل نظر انداز کیا گیا اور ان کو آگے بڑھنے کے مواقع نہیں دیے گئے۔ یہ رویہ آج ہی نہیں، تقسیم کے بعد سے رہا ہے۔ حالاں کہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ جو طبقات کم زور ہیں ان کی طرف خصوصی توجہ دے اور انھیں دوسرے طبقات کے برابر لانے کی کوشش کرے۔ حکومتیں اپنی اس ذمہ داری سے غفلت برتتی رہی ہیں۔

۴۔ پرسنل لا کا تحفظ

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ پرسنل لا اللہ کا نازل کردہ قانون ہے۔ وہ اول روز سے اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو اللہ کی نافرمانی تصور کرتے ہیں۔ ہندوستان کے دستور نے بھی یہاں کے تمام مذہبی گروہوں کو اپنے پرسنل لا پر عمل کی آزادی دی ہے۔ مسلمانوں کو بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ لیکن مسلمانوں کے پرسنل لا پر طرح طرح کے اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں مرد اور عورت کے درمیان مساوات نہیں ہے۔ مرد کو جو حقوق حاصل ہیں وہ عورت کو حاصل نہیں ہیں۔ یہ عدل و انصاف اور مساوات کے خلاف ہے۔ مختلف معاملات میں عدالتیں اس بنیاد پر پرسنل لا کے خلاف فیصلے کر رہی ہیں اور حکومت قانون سازی کے ذریعہ پرسنل لا کو تبدیل کر دینا چاہتی ہے۔ طلاق ثلاثہ سے متعلق قانون اسی کا شاخسانہ ہے۔ لیکن ایک مسلمان یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے قانون میں کسی کے ساتھ زیادتی ہوگی، ورنہ وہ الٰہی قانون ہی نہ ہوگا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ سارے اعتراضات اسلام کے معاشرتی قوانین کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کیے جاتے ہیں۔ اگر ان قوانین کی تفصیل اور حکمت و معنویت سامنے آئے تو دنیا دیکھ سکے گی کہ اسلام کے تمام قوانین سراسر عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ اس کے لیے اسلام کے موقف کو جس طرح پیش کیا جاتا ہے، اس سے بہتر انداز میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

۵۔ حالات کا رخ بدلیے

اس میں شک نہیں کہ حالات سخت ناموافق ہیں۔ حالات ناسازگار ہیں تو انھیں

سازگار بنانے کی کوشش کیجئے۔ اس کے لیے غیر معمولی سعی و جہد کرنی ہوگی، خود بہ خود حالات سازگار نہیں ہوں گے۔ ساٹھ (۶۰) ستر (۷۰) سال سے ہم اپنی کم زوریوں اور اپنے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کرتے چلے آ رہے ہیں، لیکن حالات میں فرق واقع نہیں ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے جیسی کوشش ہونی چاہیے، وہ نہیں ہو رہی ہے۔ آپ عزم و ہمت کے ساتھ آگے بڑھیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو حالات کا رخ ضرور تبدیل ہوگا۔

۶۔ظلم کے خلاف آواز بلند کیجئے

ہماری کم زوری یہ ہے کہ ہم اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ اس ملک میں ہماری یہ تصویر نہیں بنی ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں بھی سوچتے ہیں اور ان کے لیے بھی فکر مند ہیں۔ ان کے مسائل بھی حل کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں اگر ظلم ہو رہا ہے تو صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں ہو رہا ہے، دوسروں کے ساتھ بھی ہو رہا ہے، سب ہی کم زوروں کے ساتھ ہو رہا ہے، پس ماندہ طبقات، دلتوں اور او بی سی کے ساتھ ہو رہا ہے۔ جو طاقت ور ہے وہ کم زور پر ظلم کر رہا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ ظلم کے خلاف کھڑے ہوں، عدل و انصاف کا علم آپ کے ہاتھ میں ہو۔ آپ دنیا کو یہ پیغام دیں کہ نہ خود کسی پر ظلم کریں گے اور نہ کسی دوسرے پر ظلم ہونے دیں گے۔ ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہیں گے اور ہر مظلوم کو ظلم سے نجات دلانے کی کوشش کریں گے۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا کارِ نبوت کا ایک حصہ ہے۔ مکہ میں مسلمان بہت تھوڑے تھے، انگلیوں پر شمار کیے جا سکتے تھے۔ اس وقت قرآن نے ان لوگوں کے خلاف آواز اٹھائی جو معاشرہ کے کم زور افراد کو اپنے جور و ستم کا نشانہ بنائے ہوئے تھے۔ اس نے کہا: تم یتیموں اور مسکینوں کو ان کا حق نہیں دے رہے ہو، تمہارے درمیان ان کے ساتھ ہم دردی اور غم گساری کا ماحول ہی نہیں ہے، عورتوں کے ساتھ تمہارا سلوک غیر انسانی ہے، ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ تمہاری شقاوت کا یہ عالم ہے کہ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرتے ہو۔ کیا تمھیں خدا کا خوف نہیں ہے؟ یاد رکھو، تم ایک روز اس کے دربار میں حاضر کیے جاؤ گے اور اس جور و ناانصافی کی تمھیں جواب دہی کرنی ہوگی۔

اس ملک میں آپ کی یہی پہچان ہونی چاہیے۔میں بار بار کہتا ہوں کہ اگر پندرہ (۱۵) کروڑ کی آبادی ظلم کے خلاف کھڑی ہوجائے تو اس زمین پر ظلم کا وجود نہ ہوگا۔دو چار لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں تو دنیا ان کی بات سنتی ہے۔اگر اتنی بڑی امت ظلم کے خلاف کھڑی ہوجائے تو کوئی کسی پر دست درازی کی ہمت نہ کرسکے گا۔ہزار تعصب کے باوجود آپ کی آواز کو اور آپ کی کوششوں کو نظر انداز کرنا آسان نہ ہوگا بہ شرطے کہ جرأت اور پوری قوت کے ساتھ آپ سامنے آئیں۔

۷۔اسلام پر عمل

ہمارا ایمان ہے کہ اسلام ہی دین حق ہے۔یہی ہماری پہچان ہے۔اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہماری پوری زندگی میں دین ہی کی کارفرمائی ہو۔قرآن کا حکم ہے: **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً**۔(البقرۃ: ۲۰۸) ”اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہوجایو“۔اسلام کا مطالبہ یہ نہیں کہ صرف نماز روزے کی پابندی کی جائے، پیسہ ہو تو حج کرلیا جائے، یا تھوڑی بہت زکوۃ دے دی جائے، بلکہ حکم ہے کہ اسلام کے دائرے میں پوری طرح داخل ہوجاؤ۔تمہاری عبادات بھی اسلام کے مطابق ہوں، ان میں وہی روح پائی جائے جو مطلوب ہے، تمہارے اخلاق بھی اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہوں، تمہارا گھر، خاندان، تمہاری معاشرت، تمہارا کاروبار، غرض تمہارے تمام معاملات اسلامی تعلیمات کے تابع ہوں۔

اس کے بعد فرمایا: **وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْ□طٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ**۔ (البقرۃ: ۲۰۸) شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام پر عمل نہ کرنا اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا شیطان کی اتباع ہے اور انسان بھول رہا ہے کہ وہ اس کا ازلی دشمن ہے۔ملک کے دستور نے بھی ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی دی ہے۔

اب ہم خود سوچیں اور اپنے گریبان میں منھ ڈال کر دیکھیں کہ ہم دین پر کس حد تک عمل کر رہے ہیں؟ اگر حکومت کی جانب سے اس میں کوئی رکاوٹ ہے تو جس حد

تک آزادی ہے، اس پر عمل کیجئے اور جو رکاوٹ ہے اسے دور کرنے کی کوشش کیجئے۔

پرسنل لا پر عمل شریعت کا حکم بھی ہے اور ہمارا دستوری حق بھی۔ یہاں کے دستور نے سب ہی مذاہب کے ماننے والوں اور تہذیبی گروہوں کو اپنے پرسنل لا اور سماجی قوانین پر عمل کی اجازت دی ہے۔ پرسنل لا پر حملہ ہوتا ہے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کی بات ہوتی ہے تو امت اس کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔ لیکن سوچیے، کیا ہمارے ہاں خواتین کے ساتھ زیادتی نہیں ہو رہی ہے؟ کیا ان کے حقوق ادا ہو رہے ہیں؟ میاں بیوی میں نزاع ہو تو کیا ہم شریعت کے حکم کے مطابق اسے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟ کیا نان ونفقہ، طلاق اور خلع کے احکام پر ٹھیک احکام شریعت کی اتباع کی جا رہی ہے؟ قرآن نے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے۔ یہاں تک کہا کہ انہیں اف تک نہ کہو اور ان کے ساتھ ادب واحترام کا رویہ اختیار کرو۔ کیا ہمارا رویہ ان کے ساتھ یہی ہے؟ کیا ہم رشتہ داروں کے حقوق ادا کر رہے ہیں؟ کیا ہمارے درمیان وراثت اسلامی تعلیم کے مطابق تقسیم ہو رہی ہے؟ کیا دنیا یہ نہیں کہے گی کہ جس پرسنل لا کا علم تھامے ہوئے ہو اور جس کی حفاظت کے لیے جان کی بازی تک لگا دینا چاہتے ہو، اس پر خود کیوں نہیں عمل کر رہے ہو؟ کوئی سوال کرے یا نہ کرے، اللہ تعالیٰ ضرور پوچھے گا کہ اتنا بڑا مقدمہ لے کر چل رہے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کر رہے تھے؟

اگر پرسنل لا پر صحیح معنی میں عمل ہو تو وہ سارے اعتراضات از خود ختم ہو جائیں گے جو اس پر کیے جاتے ہیں، بلکہ دنیا اس کی خوبیوں کے اعتراف پر مجبور ہو گی اور اسے خود ہی اختیار کرنے لگے گی۔

اگر آپ اسلام پر عمل کریں تو خود بخود اسلام کا تعارف ہو گا، اس کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں وہ دور ہوں گی اور اس کی صحیح تصویر سامنے آئے گی۔ ہمارے مسائل کا حل ہی اسلام کو اپنانے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں ہے۔ اسلام طاقت کا سرچشمہ ہے۔ اگر ہم نے اسلام کا دامن تھام لیا تو اپنی بے سروسامانی کے باوجود ہمارے مسائل حل ہو سکتے ہیں اور ہم دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخ رو بھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی توفیق سے نوازے۔

☆☆☆

تحقیق وتنقید

عقیدۂ اعجازِ قرآن کی تاریخ

[پروفیسر عبدالعلیم کے خیالات کا جائزہ]

ڈاکٹرابوسفیان اصلاحی

پروفیسر عبدالعلیم (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۶ء) کی شخصیت گو کہ علمی اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے، لیکن اپنی ترقی پسندی اور علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کی وائس چانسلر شپ کی وجہ سے محتاجِ تعارف بھی نہیں۔ آپ کی مختصر علمی خدمات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اگر آپ کی توجہات مستقل تحقیق وتنقید پر مرکوز رہتیں تو بہت سی علمی مہمات سر کر سکتے تھے، عربی زبان وادب ، قرآنیات اور اردو ادبیات سے متعلق آپ کی نگارشات قابلِ ستائش ہیں۔ یہاں آپ کی مشہور کتاب 'عقیدۂ اعجازِ قران کی تاریخ' کا جائزہ پیش کیا جائے گا۔ یہ کتاب دراصل جرمن زبان میں آپ کے پی ایچ ڈی مقالہ کا خلاصہ ہے، جس پر بون یونی ورسٹی نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی سند تفویض کی تھی ۔ یہ خلاصہ 'اردو اکادمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی' میں ارکانِ اکادمی کے حضور پیش کیا گیا، جسے اکادمی ہی نے نومبر ۱۹۳۲ء میں شائع کیا۔ اس کتابچہ پر سید عابد حسین (۱۸۹۶۔۱۹۷۸ء) کا دیباچہ ہے، جس میں مقالہ کے متعلق نہایت مناسب بات کہی گئی ہے کہ ''مقالہ نگار نے عقیدۂ اعجاز قران پر بحث کرتے ہوئے صرف تحقیقی نتائج پیش کیے ہیں ، اس میں ذاتی عقیدے کی جھلک نہیں پائی جاتی۔'' [۱] یہ حقیقت ہے کہ اس مقالے سے قرآن مجید کی حقانیت سامنے آتی ہے کہ یہ کتابِ الٰہی ہے اور سرورِ کائنات ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ مختلف حوالوں سے اس دعویٰ کو مستند کیا گیا

ہے۔ مثلاً باقلانی کی رائے ہے کہ ''قرآن کی تمام باریکیوں کو سمجھنا اور اس کی تمام خوبیوں کو بیان کرنا بشر کے امکان میں نہیں ہے''۔ ۲؎

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں:

''یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ نبوت کے دعویٰ کو رد کرنے کی آسان ترین صورت یہی تھی کہ دوسرے لوگ قرآن کے مثل کلام پیش کرتے اور یوں ثابت کر دیتے کہ قرآن معجزہ نہیں ہے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ عرب تمام دوسری صورتیں اختیار کرتے ہیں، مگر یہی نہیں کرتے۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور یوں ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے ہیں۔ اگر واقعی قرآن کا جواب ان کے بس کی بات ہوتی تو کیا یہ قرین قیاس نہ تھا کہ وہ تمام مصائب پر اس کو ترجیح دیتے۔ ایسی صورت میں بجز اس کے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ باوجود صاحبانِ فصاحت وبلاغت ہونے کے قرآن کا جواب ان کے بس میں نہ تھا''۔ ۳؎

قرآن کریم کو جس پہلو سے بھی دیکھا جائے، اس میں ایسی انفرادیت اور ایسا اعجاز نظر آتا ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے درماندہ ہے۔ پروفیسر عبدالعلیم نے ابتدا ہی میں متعدد آیات نقل کر کے ثابت کر دیا ہے کہ بہت سے گمانِ باطل کے حاملین نے قرآن کریم کے معیار کی کتاب اور اسی کے بالمقابل زبان وبیان پیش کرنے کی کوششِ بسیار کی، لیکن رائگاں گئی۔ ایک جگہ قرآن کریم سے متعلق علی بن ربن کے احساسات کو یوں نقل کیا ہے:

''جب میں نصرانی تھا تو میرا اور میرے ایک چچا کا، جو صاحبِ فصاحت وبلاغت تھے، یہ خیال تھا کہ بلاغت نبوت کی نشانی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ وہ تمام قوموں میں مشترک ہے، لیکن جب میں نے تقلید کو چھوڑ کر اور عادت اور تربیت کے اثرات کو خیرباد کہہ کر قرآن کے معانی پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ قرآن کا وہی درجہ ہے جو اس کے ماننے والے کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے کسی زمانے کی کوئی کتاب، خواہ وہ عربی میں ہو یا عجمی، ہندی میں ہو یا رومی، ایسی نہیں دیکھی جس میں توحید وتہلیل، خدا کی ثنا اور انبیاء ورسل کی

تصدیق ، نہ مٹنے والے اعمالِ صالحہ کی ترغیب، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ، جنت کا شوق اور دوزخ کا ڈر اس طرح جمع ہوں جس طرح قرآن میں ہیں۔ تو اگر کوئی ایسی کتاب پیش کرے جس میں یہ صفات ہوں اور جس کے لیے قلوب میں ایسی عظمت اور حلاوت ہو اور جس نے کتاب نہ سیکھی ہو اور نہ بلاغت تو بلاشبہ وہ کتاب اس شخص کی نشانی ہے''۔ ۴؎

اس کتاب میں بہت سے ایسے اقتباسات اور دلائل ہیں جن کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم ایک الہامی کتاب ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کی نبوت وصداقت پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں تمام خیالات قدیم محققین ومفسرین کے نقل کیے گئے ہیں، مصنف نے اپنی جانب سے کوئی اضافہ نہیں کیا ہے۔

اس کتاب میں گولڈ زیہر کے حوالے سے بتایا گیا کہ ''عرب میں فنِ کتابت تقریباً معدوم تھا''۔ ۵؎ اسے اگر یوں کہا جاتا کہ فنِ کتابت عربوں میں عام نہیں تھا تو زیادہ مناسب تھا، کیوں کہ مختلف حوالوں کی روشنی میں یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ عربوں کے یہاں فنِ کتابت موجود تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو قرآن کریم میں کتاب، صحیفہ، قرطاس اور قلم جیسے الفاظ کا ذکر نہ ہوتا، گویا یہ ادواتِ کتاب ان کے یہاں معروف تھے۔ اس حوالے سے سہ ماہی 'فکر ونظر' اسلام آباد کے ایک علمی مقالے کا ذکر مناسب ہوگا، جس کا موضوع تھا 'دورِ جاہلیت کے کتب خانے'۔ اس میں ان کتب خانوں کا تعارف پیش کیا گیا تھا جو نبوت سے قبل عیسائی اہلِ علم کے گھروں میں موجود تھے۔ ۶؎ دوسرے، کاتبینِ وحی کے تعلق سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انھیں نزولِ وحی سے قبل لکھنا پڑھنا آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے اپنے اسلاف سے یہ فن سیکھا ہوگا۔ اس نظریے کی تائید میں علامہ عبداللطیف رحمانیؒ نے متعدد ثبوت پیش کیے ہیں کہ ادواتِ کتابت، فنِ کتابت اور کاتبین نزولِ قرآن سے قبل موجود تھے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں کتاب، قلم، صحف قرطاس اور خطوط کا ذکر متعدد بار آیا ہے، اس لیے دورِ جاہلیت میں فنِ کتابت کا عدم وجود ہونا ناممکن ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے کہ جاہلی شعراء کے قصائد اور بعض معاہدات مرقومہ صورت میں دیوارِ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے۔ ان سب شہادتوں کے باوجود فن کتابت کا انکار چہ معنی دارد۔ اس لیے گولڈزیہر کے اس خیال سے اتفاق ممکن نہیں ہے۔ جرجی زیدان نے اپنی کتاب 'تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ' میں وضاحت سے تحریر کیا ہے کہ عربوں کے یہاں اسلام کی آمد سے قبل لکھنے پڑھنے کا رواج موجود تھا اور عرب عیسائیوں کے یہاں کتب خانے بھی موجود تھے۔ اس نے اپنی کتاب میں ایک تحریر نقل کی ہے جو امرء القیس کی قبر پر کندہ تھی۔ اسی طرح دولتِ 'حمورابی' ایک نہایت ترقی یافتہ عربی مملکت تھی، جس میں لکھنا پڑھنا عام تھا۔ ۷؎ اس کا ذکر بھی افادیت سے خالی نہ ہوگا کہ نزولِ قرآن کے بعد اس کے مختلف پہلوؤں پر صحابۂ کرام اور تابعینِ عظام نے اپنے خیالات قلم بند کیے۔ ۸؎ اس سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سلسلہ دورِ جاہلیت سے چلا آرہا تھا۔ ظاہر ہے کہ فن کتابت کا دو ایک روز میں وجود میں آجانا ممکن نہیں، بلکہ یہ ایک تسلسل اور طویل عرصہ کا متقاضی ہے۔

اس کتاب میں گولڈزیہر کے توسّط سے یہ نقطۂ نظر پیش کیا گیا ہے کہ دورِ جاہلی کی شاعری میں تنوّع بہت کم تھا۔ ۹؎ اس خیال سے محققین کا متفق ہونا بہت مشکل ہوگا۔ اس دور کی شاعری کو فکری اور فلسفیانہ شاعری تو شاید نہ کہا جائے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس میں بوقلمونی اور تنوّع تھا۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ مختلف جنگوں کی نہایت خوب صورت تصویر کشی کی گئی ہے، اپنے قبائل، بہادروں، سرداروں اور محبوباؤں کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان ایک کردیے گئے ہیں، جنگی اسلحہ کی خصوصیات، گھوڑوں، اونٹوں اور ہاتھیوں کے عادات واطوار کا بہترین نقشہ کھینچا گیا ہے۔ ان کی شاعری میں اصنام پرستی، تناسخ اور توحید سے متعلق بھی کافی اشعار ملتے ہیں، ۱۰؎ عیسائیت سے متعلق مواد بھی عربوں کی شاعری میں دست یاب ہے، اسی طرح یہودیت سے متعلق اشعار بھی کثرت سے موجود ہیں، ۱۱؎ اس میں اپنے مخالفین پر خاصی کڑی تنقید کی گئی ہے، اس سے ان کی معیشت، ترجیحات اور تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے

علاوہ بے شمار موضوعات ہیں، جو جاہلی شعراء کے اظہارِ خیال کا میدان تھے۔ مذکورہ تمام پہلوؤں کو مدّنظر رکھا جائے تو یہ کہنا شاید مناسب نہ ہو کہ جاہلی شاعری کے موضوعات نہایت محدود تھے۔

پروفیسر عبدالعلیم نے اس کتاب میں ترتیبِ قرآن کا مسئلہ اٹھایا ہے۔ یہ ایک ایسا نازک مسئلہ ہے جس کی نزاکت کو قرآنی لٹریچر میں عموماً ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس مسئلے کی صحیح تشخیص مستشرقین اور خود متعدد مسلم محققین کے یہاں نہیں ملتی ہے۔ اس کتاب میں بھی قران کریم کی جمع و ترتیب کے باب میں صحیح نقطۂ نظر نہیں پیش کیا گیا ہے، مثلاً تحریر کیا گیا ہے:

> ''رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد فوراً ہی قرآن کی جمع و ترتیب کا کام شروع ہو گیا اور ایک مجموعہ تیار بھی ہو گیا تھا، لیکن یہ کام خلیفۂ ثالث عثمانؓ کے عہد میں جا کر کہیں مکمل ہوا''۔ ۱۲؎

پروفیسر عبدالعلیم نے بجا طور پر کہا ہے کہ قرآن کریم پورا کا پورا آں حضور ﷺ کے عہد میں مرتّب ہو چکا تھا۔ اس نقطۂ نظر کی تائید صحیح بخاری کی ایک روایت ہوتی ہے جس میں 'اسطوانۃ المصحف' کا لفظ آیا ہے۔ ۱۳؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ جو کتابت کرواتے وہ ایک مصحف میں ترتیب سے رکھواتے تھے۔ ابتداء میں یہ مصحف مسجد نبوی کے ایک ستون کے پاس رکھا رہتا تھا۔ اسی وجہ سے اس ستون کا نام ہی 'اسطوانۂ مصحف' پڑ گیا تھا۔

مولانا فراہیؒ نے إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ] بلا شبہ ہماری ذمہ داری قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہے۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو اس کے بعد تم اسے سنایا کرو[کی تفسیر کرتے ہوئے 'نظام القرآن' میں نہایت مدلل گفتگو کی ہے کہ تمام تر قرآن عہدِ رسول میں ترتیب پا چکا تھا۔ قرآن کی ترتیب دراصل توقیفی اور آسمانی ہے۔ ۱۴؎ اس لیے ترتیبِ قرآن کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی تکمیل خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوئی، مناسب نہیں ہے۔ ترتیبِ قرآن سے متعلق عربی، اردو اور انگریزی میں بے شمار تصانیف موجود ہیں۔ اس موضوع پر سب سے جامع کتاب

علامہ عبداللطیف رحمانی کی 'تاریخ القرآن' ہے، جس میں عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں یہ نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ پورا کا پورا قرآن عہدِ رسالت میں ترتیب دیا جاچکا تھا۔ ۱۵؎ تاریخ القرآن کی جامعیت کے پیش نظر پروفیسر عبدالرحیم قدوائی نے اسے انگریزی میں منتقل کیا ہے۔ ۱۶؎ یہ وضاحت بھی مناسب ہوگی کہ ڈاکٹر محمد مصطفی الاعظمی نے انگریزی میں " The History of Quranic Text : From Revelation to Completetation" (Leicester U.K. Islamic Academy 2003) کے عنوان سے ترتیبِ قرآن پر وقیع بحث کی ہے۔ ۱۷؎ یہاں یہ بھی صراحت ضروری ہے کہ تلمیذِ مولانا امین احسن اصلاحی جناب خالد مسعود نے اپنی معروف کتاب 'حیاتِ رسول امی' میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن کریم آں حضور ﷺ کے عہد میں مرتب ہو چکا تھا۔ انھوں نے اس کی تردید کی ہے کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو کسی طرح بھی جامع القرآن کا درجہ نہیں دیا جاسکتا۔ ۱۸؎

اس کتاب میں نظم قران پر مختلف حیثیتوں سے گفتگو کی گئی ہے۔ بہت سے علماء محققین کا خیال ہے کہ اعجازِ قرآن کا سارا انحصار نظمِ قران پر ہے۔ اس ضمن میں نظم ِ قرآن سے متعلق جاحظ کی کتاب کا ذکر کیا گیا ہے، جو نایاب ہے، لیکن اس کے کچھ اقتباسات مختلف مصادر میں دست یاب ہیں۔ ۱۹؎

اس کتاب میں نظم قرآن کی اہمیت وافادیت پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ باقلانی کے حوالے سے بتایا گیا ہے:

> ''قرآن کے نظم کی خوبی اور تالیف کا حسن، باوجود مضامین کے اختلاف کے، کبھی کم نہیں ہوتا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ قرآن میں قصص بھی ہیں اور مواعظ بھی، دلائل بھی ہیں اور احکام بھی، وعدہ بھی ہے اور وعید بھی، اوصاف کا بیان بھی ہے اور تعلیمِ اخلاق بھی، لیکن ہر صنف میں فصاحت و بلاغت کا وہی عالم ہے۔ بخلاف اس کے بہترین شاعر اور خطیب کے کلام میں بھی مضمون کی

تبدیلی کے ساتھ ساتھ بیان کی خوبی میں کمی ہوجاتی ہے اور ایک شخص صرف ایک ہی صنف میں کمال رکھتا ہے"۔ ۲۰؎

اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ نظمِ قرآن پر نہایت معرکہ آرا بحث کی گئی ہے، لیکن بہت سی بنیادی چیزوں سے استفادہ نہیں کیا گیا ہے۔ مثلاً امام زرکشیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے نظم سے متعلق افکار کو زیر بحث لانا از حد ضروری تھا۔ ۲۱؎

اس کتاب کا ایک ذیلی عنوان 'علم المعانی والبیان اور عقیدۂ اعجاز القرآن' ہے۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

"یہ امر تو مسلّم ہے کہ عربی علم معانی و بیان بہت کچھ قرآن پر مبنی ہے۔ لیکن ابھی تک غالباً اس حقیقت کو کسی نے واضح نہیں کیا ہے کہ اس علم کی ترتیب اور تدوین کا باعث عقیدۂ اعجاز قرآن ہی ہے"۔ ۲۲؎

ان کلمات سے متبادر ہے کہ پروفیسر عبدالعلیم کا یہ خیال ہے کہ قرآن کریم کی روشنی میں علم المعانی والبیان کو کسی شخص نے اب تک مرتّب نہیں کیا۔ دنیائے اسلام میں صرف مولانا فراہیؒ کی شخصیت ایسی ہے جس نے اس موضوع پر نہایت مستند گفتگو کی ہے۔ آپ کی کتاب کا نام 'جمہرۃ البلاغۃ' ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا خیال تھا کہ اسے دنیائے عرب کے سامنے پہنچایا جائے، تاکہ اس قابل قدر کتاب سے عرب استفادہ کرسکیں۔ اس کتاب میں علم بلاغت کے بانی ارسطو پر تنقید کی گئی ہے اور قرآنی بلاغت کو اصل مقام دیا گیا ہے۔ ۲۳؎ یہی وجہ ہے کہ جرجانی نے معانی و بیان کی ترتیب کو قرآن کریم کی دین قرار دیا ہے۔ ۲۴؎ مولانا فراہیؒ کی اس کتاب پر پروفیسر محمد راشد ندوی نے ایک وقیع مقالہ سپرد قرطاس کیا ہے۔ ۲۵؎

اس کتاب میں اعجاز قرآن کے بارے میں مختلف خیالات پیش کیے گئے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک نظم قرآنی معجزہ ہے اور بعض کے نزدیک اس کے افکار معجزہ ہیں۔ اسی خیال کے مؤید علامہ شبلی نعمانی اور ان کے شاگرد مولانا عبدالسلام ندوی تھے۔ اپنے استاد کے خیال کو مستند و معتبر بنانے کے لیے مولانا عبدالسلام ندوی نے ایک مقالہ

دو قسطوں میں ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ میں تحریر کیا۔ اس مقالہ میں انھوں نے ایسے دلائل پیش کیے جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا آسان ہے کہ قرآن کریم کا اصل اعجاز اس کے معانی ومفاہیم میں پوشیدہ ہے۔ اس میں ایسی معنوی تاثیر اور سحر ہے کہ ہر شخص اس کا اسیر ہو جائے۔ شرط صرف یہ ہے کہ خالی الذہن ہو کر اس کا مطالعہ کیا جائے۔

اس کتاب میں مفردات القرآن سے بھی بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں باقلانی کے حوالے سے بتایا گیا ہے:

> ''کسی کلام کی فصاحت وفضیلت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس میں سے کوئی لفظ لے کر کسی دوسرے کے کلام میں استعمال کیا جائے اور وہ لفظ ذہن کو اپنی طرف کھینچ لے۔ یہ خوبی قرآن میں بہ درجۂ اتمّ موجود ہے۔ قرآن کا کوئی خصوصی لفظ، کسی جملے یا شعر میں اسی طرح چمکتا ہے جیسے کہ معمولی ہار میں یاقوت یا موتی''۔۲۶؎

پروفیسر عبدالعلیم نے یہ بھی توضیح کی ہے کہ قران کریم میں معجزہ کے لیے 'آیۃ' اور 'برہان' کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔۲۷؎ مولانا فراہیؒ نے اس زاویہ سے نہایت عالمانہ گفتگو کی ہے۔۲۸؎ لیکن ان کے خیال میں معجزہ کے لیے صرف لفظ 'آیت' آیا ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے بھی اپنی تفسیر 'تدبر قرآن' میں مختلف مقامات پر اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً ایک جگہ رقم طراز ہیں:

> ''آیات بینات'' سے مراد ہیں وہ کھلے کھلے معجزات جو بنی اسرائیل کو دیے گئے۔ ان کا حوالہ دینے سے مقصود یہ ہے کہ ایمان وہدایت کا راستہ ان لوگوں پر کھلتا ہے جو عقل اور سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ جو عقل اور سمجھ سے کام نہیں لیتے وہ دنیا جہان کے معجزے دیکھ کر بھی بدستور اپنے تذبذب اور اپنی بے اعتمادی میں پڑے رہتے ہیں''۔۲۹؎

خلاصہ یہ کہ اعجاز قرآن کی تاریخ پر یہ ایک عمدہ تصنیف ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں اس پہلو کو اٹھایا ہے کہ اعجازِ قرآن کی ابتدا کیسے ہوئی؟ قرآن کریم کے فکری ولسانی اعجاز کو بہ طور چیلنج کیسے لیا گیا؟ مخالفینِ قرآن اور معارضینِ نبوت

نے اسے کس طرح برتا؟ اور کس طرح بہت سے عربوں اور مدّعیانِ نبوت نے اپنے خیالات پیش کیے؟ لیکن قرآن کریم کی فصاحت کا مقابلہ کرنے سے شکستگی اور عجز سے دوچار ہوئے اور یوں مدّعیانِ نبوت کے تمام راستے مسدود ہو گئے۔

اس کتاب میں عقیدۂ اعجاز قرآن کی نشوونما کے باب میں مختلف مصادر اور متعدد تفاسیر کے حوالے دیے گئے ہیں۔ اس موضوع پر معتزلہ کے خیالات کو بھی موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔ لفظ 'اعجاز' کا مفہوم کیا ہے؟ اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اعجازِ قرآن سے متعلق بہت سی تصانیف کے عناوین تحریر کیے گئے ہیں، جو طالبانِ قرآنیات کے لیے حد درجہ مفید ہیں۔ یہ طرز در اصل علامہ شبلی نعمانی سے ماخوذ ہے۔ علامہ نے اپنی تصانیف میں 'فرہنگِ مراجع' رقم کیا ہے، جو ان کے برسہابرس کے مطالعے کا نچوڑ ہے۔ یہ تحقیق بھی اس بات کی غمّاز ہے کہ پروفیسر عبدالعلیم نے اس موضوع کو نہایت سنجیدگی سے لیتے ہوئے تفکر و تدبر کے کتنے زینے طے کیے۔ اس کتاب کی ترتیب و تحقیق اور مستعمل مصادر سے مترشح ہے کہ پروفیسر موصوف نے نہایت عرق ریزی کے بعد یہ مقالہ ترتیب دیا ہے۔

یہ پہلو بھی لائقِ ستائش ہے کہ علم المعانی درحقیقت اعجازِ قرآن کی دین ہے، اس موضوع پر موجود مواد کی طرف بھی اس کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اعجازِ قرآن کے باب میں مختلف مکاتبِ فکر منظر عام پر آئے، ان کا بھی پروفیسر موصوف نے جائزہ لیا ہے۔ مقالہ کے اختتام پر منکرینِ اعجاز اور معاندینِ قرآن کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں ابن مقّفع کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اسلام کے خلاف ایک کتاب تحریر کی تھی، لیکن اس پر یہ الزام بے بنیاد ہے۔ ۳۰ ؎

آخر میں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تاریخ عقیدۂ اعجازِ قرآن پر لکھتے ہوئے مستشرقین کے لٹریچر سے استفادہ تحقیقی رو سے مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اعجازِ قرآن کا تعلّق جس زمانے سے ہے اس وقت استشراق کا وجود نہیں تھا۔ اس کتاب میں بہت سے موضوعات پر استدلال کے لیے استشراق سے مدد لی گئی ہے

، جو تحقیق کے منافی ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ ایک علیٰحدہ باب میں اعجازِ قرآن سے متعلق مستشرقین کی خدمات کا جائزہ لیا جائے۔

حواشی ومراجع

۱۔ عقیدۂ اعجاز قرآن کی تاریخ (مقدمہ از سید عابد حسین)، مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، (بدون تاریخ)، ص: ۴

۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: اعجاز القرآن، الباقلانی (شرح وتعلیق: محمد عبد المنعم الخفاجی)، مکتبۃ ومطبعۃ محمد علی صبیح واولادہ، مصر، ۱۳۷۰ / ۱۹۵۱ء، طبع اول، ص ۴۱۔ ۵۹

۳۔ حوالہ سابق، ص ۴۹

۴۔ حوالہ سابق، ص ۵۰

۵۔ حوالہ سابق، ص ۶

۶۔ سہ ماہی 'فکرونظر' اسلام آباد،

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ، جرجی زیدان، مطبعۃ الہلال، القاہرۃ، ۱۹۳۱ء / ۱۹۵۷ء، جلد ا، ص ۱۷۔ ۱۸

۸۔ حوالہ سابق، ص ۱۹

۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین سیوطی، (مترجم: مولانا محمد حلیم انصاری، تصحیح وتدوین: مولانا محمد عبد الحلیم چشتی،) جلد ا، ص ۲۶۔ ۲۸، نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت وکتب، آرام باغ، کراچی (بدون تاریخ) جلد ا، ص ۵۴۔ ۶۰

۱۰۔ عقیدۂ اعجاز قرآن کی تاریخ، ص ۶

۱۱۔ جاہلی شعراء نے اللہ کی مختلف قرآنی صفات کا ذکر اپنے اشعار میں کیا ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (نقوش، قرآن نمبر، ادارہ فروغ اردو لاہور، جلد چہارم، شمارہ نمبر ۱۴۶، ۲۰۰۱ء، ص ۵۹۵۔ ۶۵۸)

۱۲۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: Religious Trend in pre-Islamic Arabic Poetry, Hafiz Ghulam Mustafa, Aligarh Muslim University, Aligarh, 1986, pp.1-125

ڈاکٹر محمد اجمل نے شعبۂ عربی، لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ سے ڈاکٹر عرفات ظفر کی زیر نگرانی **النواحي الثقافية و الاجتماعية في الشعر العربي الجاهلي** کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ اس مقالہ میں دورِ جاہلی کی شاعری کو بنیاد بناتے ہوئے عربوں کی مختلف ثقافتی، ادبی، معاشرتی اور جنگی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں ان کی فسق وفجور سے متعلق عادات کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ مقالہ ابھی غیر مطبوعہ ہے۔ کتاب 'شعراء النصرانیۃ' میں بہت سے ایسے اشعار ہیں جن میں عیسائیت کی جھلک موجود ہے۔) وضاحت کے لیے دیکھیے: شعراء النصرانیہ (جمعہ ووقف علی طبعہ و تصحیحہ الاب لویس شیخو الیسوعی، الجزء الاول فی شعراء الجاہلیۃ، مطبعۃ الآباء المرسلین الیسوعین فی بیروت، ۱۸۹۰ء۔

۱۲۔ عقیدۂ اعجاز قرآن کی تاریخ، ص ۱۴

۱۳۔ صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، ابواب سترۃ المصلی، باب الصلوٰۃ الی الاسطوانۃ، حدیث نمبر ۵۰۲

۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القران، عبد الحمید الفراہی، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳

۱۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تاریخ القرآن، عبد اللطیف رحمانی، شاہ ابوالخیر اکاڈمی، دہلی، ۱۴۰۳ھ/ ۱۹۸۳ء، ص: ۷۵۔ ۷۷

۱۶۔ دیکھیے: مجاہدِ علم وعمل: پروفیسر عبد الرحیم قدوائی (مرتب: فاروق ارگلی)، فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ، دہلی، ۲۰۱۷ء، ص ۲۵)

۱۷۔ حوالہ سابق، ص: ۱۱۷۔ ۱۱۸

۱۸۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: حیاتِ رسول امی، خالد مسعود (تلمیذ مولانا امین احسن اصلاحی) قرآن وسنت اکیڈمی، دہلی، طبع اول، مارچ ۲۰۰۴ء، ص: ۵۳۶۔ ۵۳۷۔

۱۹۔ ملاحظہ کیجیے مقالہ: نظم القرآن: جاحظ کی ایک غیر معروف تصنیف کا تعارف، سکندر علی اصلاحی، مجلہ علوم القرآن، علی گڑھ، جلد ۹، شمارہ ۱۔ ۲، جنوری، دسمبر ۱۹۹۴ء، ص ۵۵۔ ۷۰

۲۰۔ اعجاز القرآن، الباقلانی، ص ۱۴

۲۱۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: نظم قرآن: ایک تعارف (بدون مرتب)، مرتب: مولانا بدر الدین اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۳۸۸ھ/ ۱۹۹۴ء۔ اس میں امام

ابن تیمیہ، امام زرکشی، علامہ فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے تصور نظم قرآن کو پیش کیا گیا ہے۔

۲۲۔ عقیدۂ اعجاز قران کی تاریخ، ص ۴۱

۲۳۔ یہ کتاب ۱۳۶۰ھ میں مطبع معارف اعظم گڑھ سے شائع ہوئی ہے۔ یہ ۸۸؍ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں خالصتاً قرآنی بلاغت پیش کی گئی ہے۔

۲۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: دلائل الاعجاز، الامام عبدالقاھر الجرجانی، (جمعہ و علّقہ محمد بن تاویت) المطبعۃ المھدیۃ، بدون تاریخ، جلد ۲، ص ۱۰۰۔ ۱۱۲

۲۵۔ ملاحظہ کیجیے: علامہ حمید الدین فراہی: حیات وافکار، (مجموعۂ مقالات) انجمن طلبۂ قدیم، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ۱۹۹۲ء، مقالہ: مولانا فراہی کے تنقیدی نظریات 'جمھرۃ البلاغۃ' کی روشنی میں، پروفیسر محمد راشد ندوی، ص ۵۳۳۔ ۵۴۶

۲۶۔ عقیدۂ اعجاز قران کی تاریخ، ص ۵۶

۲۷۔ حوالہ سابق، ص ۲۳

۲۸۔ مفردات القرآن، الامام عبدالحمید الفراہی، (تحقیق وشرح الدکتور محمد اجمل ایوب الاصلاحی)، دارالغرب الاسلامی، بیروت، ۲۰۰۲ء، طبع اوّل، ص ۱۳۴۔ ۱۳۶

۲۹۔ تدبر قران، مولانا امین احسن اصلاحی، دارالاشاعت الاسلامیہ، لاہور، ۱۳۷ھ؍ ۱۹۶۷ء، طبع اوّل، ص ۴۵۶

۳۰۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: عقیدۂ اعجاز قران کی تاریخ، ص ۶۴۔ ۶۵

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، 27-A، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

ایران میں عطّار شناسی

(فریدالدین عطار کی تصنیفات پر ڈاکٹر شَفیعی کی تحقیق)

—————— محترمہ لیلیٰ عبدی خجستہ

ڈاکٹر محمد رضا شفیعی کَدکَنی ۱۹۳۹ء میں خراسان کے ایک قصبہ کَدکَن (ضلع نیشابور) میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے اپنے والد ماجد اور اس دور کے معروف عالم ادیب نیشابوریؒ سے عربی زبان و ادب میں تلمذ کیا۔ علوم اسلامی کی تعلیم مشہور عُلماء: شیخ ہاشم قزوینیؒ اور میلانیؒ سے حاصل کی۔ ا۔ دانش گاہ فردوسی مشہد سے فارسی میں ایم اے کیا۔ اس کے بعد دانش گاہِ تہران سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ وہ ۱۹۶۹ء سے تہران یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی میں تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ فارسی ادب کے موضوعات، مثلاً اسلوبیات، ادبی تنقید، اصنافِ سخن، عرفان، تصوف وغیرہ پر کئی برسوں سے مسلسل لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے انگلینڈ اور امریکہ کی یونی ورسٹیوں (اکسفرڈ اور پرنسٹن) کی دعوت پر وہاں جا کر اپنے تحقیقی اور تدریسی کاموں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ڈاکٹر صاحب بلند پایہ محقق ہونے کے ساتھ مشہور و معروف شاعر بھی ہیں۔ کلاسیکی اور جدید شاعری میں ان کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ ۲۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے مختلف کتابیں اور بہت سے مقالات تحریر کرنے کے ساتھ بعض قدیم اور اہم عرفانی متون کی تصحیح کی ہے اور ان پر نہایت عالمانہ تعلیقات لکھی ہیں۔ بنیادی مآخذ تک رسائی کے لیے ڈاکٹر صاحب دنیا بھر کی تمام لائبریریوں کا

سراغ لگاتے رہے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسے نایاب قلمی نسخوں کی دریافت کی ہے جو دنیائے علم و عرفان میں پہلی بار منظر عام پر آئے ہیں اور ان کی وجہ سے بعض عارفوں کے بارے میں جدید معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

چالیس سال پہلے ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے ارادہ کیا تھا کہ خُراسان کے اہم عارفوں، ان کے حالات اور تصانیف پر ایک کتاب 'پیرانِ خُراسان' کے عنوان سے تحریر کریں گے۔لیکن کتاب کی ضخامت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے انھوں نے پانچ علیٰحدہ کتابیں پانچ بڑے عارفوں پر لکھیں، جن میں ان کے حالات، ماحول اور نظریات کا گہرائی سے جائزہ لیا ہے اور ہر ایک عارف کی تالیفات رملفوظات کی بڑی دقّت نظری سے تصحیح کی ہے اور انہیں مبسوط مقدمہ اور فاضلانہ تعلیقات کے ساتھ شائع کروایا ہے۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی عرفانی متون کی تصحیحات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اول: اہم عُرفا کی تالیفات ر ان سے متعلق متون کی تصحیح: ڈاکٹر صاحب نے اسرار التوحید فی مقامات الشیخ ابی سعید دو جلدوں میں چھپوائی تھی۔پہلی جلد میں متن اور دوسری جلد میں تعلیقات ہیں، جن میں مباحثِ لغوی، اصطلاحاتِ عرفانی، احادیث، عربی اشعار اور عبارتوں کے ترجمے، اقوال اور حکایات کے مآخذ، متن سے متعلق توضیحی یادداشتیں اور جامع اشاریہ شامل ہیں۔ مجموعہ میراثِ عرفانِ ایران کے نام سے (اب تک) یہ پانچ کتابیں چھپ چکی ہیں: دفتر روشنائی، بایزید بَسطامی سے متعلق، نَوِشتہ بَر دریا (دریا پر لکھائی) ابوالحسن خَرَقانی سے متعلق، چشیدَنِ طعمِ وقت (وقت کا رَس) ابوسعید ابوالخیر سے متعلق، دَرہر گز وہمیشۂ انسان (انسانی ہمیشگی) خواجہ عبداللہ انصاری سے متعلق، دَرویش سِتیہَندہ (مُبارزِ دَرویش) شیخ جام سے متعلق۔

دوم: عطّارؒ (۵۵۳۔ ۶۲۷ھ) کی تالیفات کی تصحیح، مجموعہ آثارِ فریدالدین عطّار نیشابوری کے عنوان سے۔

زیرِ تحریر مضمون میں ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی ان تصحیحات پر گفتگو کی جائے گی۔

اب تک مذکورہ مجموعہ کے پانچ اجزاء، یعنی عطّار کی پانچ تصحیح شدہ کتابیں

منظر عام پر آچکی ہیں:

مجموعہ آثار عطّار (۱)۔مقدمہ، تصحیح وتعلیقات منطق الطیر، ۲۰۰۴ء، (اخیر تیرہویں اشاعت، ۲۰۱۴ء، نیز اس کا مختصر ایڈیشن ۲۰۰۵ء)

مجموعہ آثار عطّار (۲)۔ مقدمہ، تصحیح و تعلیقات الٰہی نامہ، ۲۰۰۷ء، (اخیر ساتویں اشاعت ۲۰۱۵ء)

مجموعہ آثار عطّار (۳)۔مقدمہ، تصحیح و تعلیقات مصیبت نامہ، ۲۰۰۷ء، (اخیر چھٹی اشاعت ۲۰۱۳ء)

مجموعہ آثار عطّار (۴)۔مقدمہ، تصحیح وتعلیقات اَسرار نامہ، ۲۰۰۷ء، (اخیر ساتویں اشاعت ۲۰۱۵ء)

مجموعہ آثار عطّار (۵)۔مقدمہ، تصحیح وتعلیقات مختار نامہ، ۱۹۷۸ء، (اخیر چھٹی اشاعت ۲۰۱۵ء)

زبورِ پارسی: نگاہی بہ زندگی و غزل ہائے عطار، ۱۹۹۹ء، (اخیر دوسری اشاعت ۲۰۰۱ء)

اس سے پہلے عطّار پر کئی ایرانی اسکالرز اور مستشرقین نے نہایت عمدہ کام کیا ہے۔ڈاکٹر شفیعی کدکنی اپنی مذکورہ تصحیحات کے مقدّموں میں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے عظیم کاموں کے معترف ہیں۔مثلاً بدیع الزّمان فروزان فر، کی 'شرحِ احوال و نقد وتحلیلِ آثارِ شیخ فریدالدین محمد عطّار نیشابوری' (پہلی اشاعت ۱۹۶۱ء)، ڈاکٹر عبدالحسین زَرّین کوب کی 'صدایِ بالِ سیمُرغ: دربارۂ زندگی و اندیشۂ عطار' (پہلی اشاعت ۱۹۹۹ء) ڈاکٹر سید صادق گوہرین نے 'منطق الطیر' کی تصحیح کی ہے، جو مقبول ترین تصحیح مانی جاتی ہے اور سالہائے سال سے ایران کی یونی ورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہے۔نیز مرحوم گوہرین نے 'اَسرار نامہ' (پہلی اشاعت ۱۹۵۹ء) کی تصحیح کی تھی۔فواد روحانی نے 'الٰہی نامہ' کی (۱۹۶۱ء) کی تصحیح ایران اور یورپ میں موجود اکیس نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد کی ہے۔نیز ہلموٹ ریٹر نے 'الٰہی نامہ' (۱۹۴۰ء) کی تصحیح کی

ہے ۔عطّار اور ایرانی اسلامی عرفان کے سلسلے میں ان کی یہ شاہ کار تحقیق ہے ۔ڈاکٹر عبداللہ نورانی وصال نے 'مصیبت نامہ' (پہلی اشاعت ۱۹۵۹ء) کی تصحیح کی تھی۔ ۳؎

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی تصحیحات کی امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔انھوں نے ایسے مُعتبر نسخوں، مآخذ اور متون کا سراغ لگایا ہے جو دیگر اسکالرز کی دست رس میں نہیں تھے، جس کی وجہ سے ان کی تالیفات میں کہیں کہیں خامیاں ملتی ہیں۔ڈاکٹر شفیعی کَدکَنی ان کی نشان دہی کرتے ہیں۔

۲۔اصالت وصحّتِ نسخہ: انھوں نے ایسے مُعتبر نسخوں کا سراغ لگایا ہے جن کی کتابت عطّار کے زمانے کے قریب کی ہے۔انھوں نے مختلف علوم: لسانیات، نسخہ شناسی، علوم اسلامی وغیرہ کے تناظر میں ان تمام نسخوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اصالت اور صحّت کی بنا پر ایک نسخہ کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔

۳۔مقدمہ: ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی ہر تصحیح ایک مبسوط مقدمہ پر مشتمل ہے ۔یہ مقدمہ نہ صرف عطّار شناسی کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، بلکہ عطّار کے عہد اور جغرافیائی ماحول کا گہرا جائزہ لیتے ہوئے عرفانی سلسلہ اور دوسرے عُرفا کے حالات پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔عام طور پر ہر مقدمہ تین حصوں پر مشتمل ہے:

اول: کتاب کے بارے میں: مثلاً: ڈاکٹر صاحب اسرار نامہ اور منطق الطیر کے مقدموں میں مختصراً اصل داستان نقل کرتے ہیں۔

دوم: کتاب کے موضوعات کا تاریخی پس منظر: ڈاکٹر صاحب اسرار نامہ اور منطق الطیر میں عالمی ادب (فارسی، عربی اور ایطالی) میں تمثیلی سفر اور پرندوں کا سفر لکھنے کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں۔اس طرح ہر موضوع کی گہرائی میں جاتے ہوئے ہر ایک کا تاریخی سفر قارئین کو دکھاتے ہیں اور وضاحت کرتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری (عطّار کے عہد) تک ہر بحث میں کون کون سی تبدیلیاں ہوئی تھیں؟ چناں چہ ڈاکٹر صاحب کے مقدموں میں لسانی، اسلوبیاتی، کلامی، فقہی، تنقیدی اور موسیقی سے متعلّق مباحث شامل ہیں۔

سوم: تصحیح کا طریقۂ کار: ڈاکٹر صاحب نے 'منطق الطیر' کے مقدمے میں عطّار کی تالیفات کے طریقۂ تصحیح کی وضاحت کی ہے: ''سب سے پہلے ایک علیحدہ فہرست بنائی ،جس میں عطّار کے مستعمل الفاظ شامل کیے ۔(اس سے مُراد ثقیل اور مشکل الفاظ نہیں ہیں ۔ایسے الفاظ کی تشریح تو لغات میں ملتی ہیں ۔اس سے مراد افعال اور حروفِ اضافت ہیں۔)عطّار کی تالیفات میں ایک ہی فعل مختلف حروفِ اضافت کے ساتھ الگ الگ معنیٰ رکھتا ہے ۔مثلاً: آمَدَن ،سَر آمَدَ ن، بہ سَر آمَدَ ن ، دَر سَر آمَدَ ن ، بَر سَر آمَدَ ن۔ اس کے بعد مُعتبر نسخوں کا تذکرہ کیا، پھر ان میں قدامت ،صحت اور اصالت کی بنیاد پر کسی نسخہ کو نسخۂ اساس قرار دیا۔(منطق الطیر ،مقدمہ ،ص ۳۲۸)

۴۔ تعلیقات :ڈاکٹر صاحب کی تعلیقات کو ایک حوالہ جاتی کتابچہ کہا جاسکتا ہے، جن میں اشخاص اور مقامات کے نام ، الفاظ وعبارات کی توضیح ، آیات ، احادیث اور عربی مقولات کا ترجمہ ملتا ہے ۔ان کا کمال یہ ہے کہ اپنی تعلیقات میں وہ ایسے متون کا حوالہ دیتے ہیں جو عطّار کے زیرِ مطالعہ رہے تھے ، یا زمانی تقدّم کی بنا پر غالباً عطّار نے ان سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ اس طرح وہ جامع اور مختصر انداز میں قارئین کو ایک طرح کا تاریخی تسلسل دکھاتے ہیں ۔ وہ قرآنی آیات کا اپنی طرف سے ترجمہ نہیں کرتے ، بلکہ قرآن کے قدیم ترین فارسی ترجموں کا حوالہ دیتے ہیں ، مثلاً قصص الانبیاء (ابو اسحاق نیشابوری ، پانچویں صدی ہجری) ،تفسیر سورآبادی (ابوبکر عتیق نیشابوری مشہور بہ سورآبادی ، پانچویں صدی ہجری)،تاج التراجم فی تفسیر القرآن للاعاجم (شاہفور بن طاہر اسفراینی ، پانچویں صدی ہجری)، تاریخ نیشابور (ابوعبداللہ الحاکم نیشابوری ،چوتھی صدی ہجری) ، الفُصول (عبدالوھاب بن محمد ، جو علمائے فرقہ کرّامیہ میں سے ہیں اور ان کا زمانہ چوتھی صدی کے اواخر اور پانچویں صدی کے اوائل کا ہے۔)، الشواھد والاَمثال (ابونصر عبدالرحیم بن عبدالکریم قُشیری ،م ۵۱۴ھ)

'منطق الطیر ' کی تعلیقات میں 'قلندر ' کے ذیل میں ساڑھے چار صفحات میں ا س صوفیانہ اصطلاح کی توضیح کرتے ہیں ۔(ایضاً ،ص ۷۱۸)اور ' پروانہ اور شمع ' کی تمثیل کے

پس منظر کو تاریخی تسلسل میں انہی تالیفات میں واضح کرتے ہیں: طواسین (تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے درمیان، مؤلف: حلّاج)، تاج القصص (۴۷۵ھ، مؤلف: ابونصر احمد بن محمد بخارائی)، روضۃ الفریقین (پانچویں صدی ہجری، مؤلف: ابوالرّجاء خمرکی چاچی)، رَوح الارواح (۵۰۰ھ کے ماقبل۔ ابوالقاسم احمد منصور سمعانی)، سوانح العشاق (پانچویں صدی ہجری، مؤلف: احمد غزالی)، حیات الحیوان الکبریٰ (مؤلف: کمال الدین محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ دمیری م ۸۰۲ھ)، نیز 'پروانہ اور شمع' کی تمثیل کے بارے میں عربی ادب میں معاصر تحقیقات میں محمد منصور اباحسین (ریاض یونی ورسٹی) کے مضمون کا حوالہ دیتے ہیں۔ نیز تعلیقات کے بعد حسبِ ضرورت کتاب، فہرستِ امثال (امثال کا اشاریہ)، فرہنگِ لغات وتعبیرات، قافیہ اور کشف الابیات (ابیات کے مصرع اول، حروف تہجی کی ترتیب سے) شامل ہے۔

آئندہ سطور میں ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی مذکورہ تصحیحات کا تعارف کرایا جائے گا:

۱۔ منطق الطیر

کچھ پرندے ہُدہُد کی راہ نمائی میں سیمُرغ کی تلاش میں نکل جاتے ہیں۔ بہت سی سختیاں اور مشقّتیں جھیل کر آخر میں سی مُرغ (تیس پرندے) سیمُرغ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ جب وہ سیمُرغ کو دیکھتے ہیں تو انھیں اس میں اور اپنے میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ یہ پرندے سات وادیاں عبور کر لیتے ہیں: طلب، عشق، مَعرفت، اِستغناء، توحید، حیرت، فَنا۔ ڈاکٹر صاحب کے بہ قول: ''دُنیائے اسلام کی عرفانی نظموں میں کوئی بھی منظومہ 'منطق الطیر' کا ہم پایہ نہیں۔ اس میں پرندوں کے سفر کی عمدہ منظر کشی کی ہے، حق تعالیٰ اور بندوں کے تعلقات بیان کرتے ہوئے سیر و سلوک کی رکاوٹیں اور سختیاں توصیف کرتے ہیں۔'' (تصحیح منطق الطیر، مقدمہ، شفیعی کدکنی ص ۳۴) محمد افضل سرخوش (م ۱۱۲۶ھ) نے کلمات الشعراء میں منطق الطیر کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے: (ایضاً، ص ۱۰۹)

'سی مُرغ' زشوق، بال وپَر بگشودَند

دَرجُستَنِ سیمُرغ، ہوا پیمودَند
کردندشمارِخویش چون آخِرکار
دیدَندکه 'سیمُرغ' ہم این ہا بودند
(سی مُرغ (تیس پرندوں) نے بڑے شوق سے سیمُرغ کی تلاش میں آسمان کا سفر کیا۔ آخر میں جب بچے پرندوں کی تعداد معلوم ہوئی تو سیمُرغ وہی تھے)

ڈاکٹر صاحب اپنے مبسوط مقدمہ میں عطّار کی شخصیت اور 'منطق الطیر' کے مختلف پہلوؤں کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔ وہ عطّار کے سوانحی حیات اور تالیفات پر بحث کرتے ہیں۔ برسوں کی عرق ریزی اور مختلف قدیم نسخے پڑھنے کے بعد وہ یہ ثبوت پیش کرتے ہیں کہ عطارؒ کی مسلّم شدہ تالیفات یہ ہیں: دیوانِ عطّار، مُختار نامہ، جس میں رُباعیات شامل ہیں، اَسرار نامہ، مَقاماتِ طُیور = مَنطق الطّیر، خُسرو نامہ = الٰہی نامہ، مُصیبَت نامہ، تذکرۃ الاولیاء۔ وہ مستند دلائل کے ساتھ یہ ثابت کرتے ہیں کہ حسب ذیل کتابیں قطعی طور پر عطّار کی نہیں ہیں، بلکہ غلط طور پر انھیں اس کی جانب منسوب کردیا گیا ہے: بُلبُل نامہ، بیسَر نامہ، پِسر نامہ، حیدری نامہ، پَندنامہ، جوہر اللّذات، حلّاج نامہ، سیاہ نامہ، اُشتُر نامہ، لسان الغیب، مَظہر الذّات، معراج نامہ، مِفتاح الفُتوح، نُزہت نامہ، وَصلَت نامہ، ہیلاج نامہ، گُل وہُرمُز (ایضاً، ص ۳۳) ڈاکٹر صاحب کی رائے میں کچھ غلطیاں دانستہ طور پر ہوئی ہیں اور کچھ نادانستہ۔ دانستہ طور پر بعض لوگ عطّار کی شہرت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تالیفات ان کے نام سے شائع کرواتے تھے اور بعض افراد نادانستہ طور پر بعض تصانیف پر کسی عطّار کا نام دیکھ کر اسے مشہور عارف عطّار گمان کرلیتے تھے: ''اسلامی ایرانی تہذیب میں عطّار سب سے رائج لقب ہوا کرتا تھا۔ عطّار کا پیشہ (خواہ پنساری ہو یا ادویہ فروش) دیہاتی اور شہری معاشرے کا جزوِ معمول رہا کرتا تھا۔ چنانچہ ظاہری بات ہے کہ ہر صدی میں سینکڑوں ایسے لوگ تھے جن کا پیشہ عطّاری ہوا کرتا تھا اور ان میں سے بعض اصحابِ علم و ذوق ہوا کرتے تھے اور انہی میں کچھ شعر و شاعری بھی کرتے تھے۔'' (ایضاً، ص ۷۹) ڈاکٹر شفیعی کدکنی اپنے مقدمے میں ۲۴/ ایسے

شاعروں کا ذکر کرتے ہیں جن کا نام یا لقب یا تخلص عطّار ہوا کرتا تھا: ''تاریخ قُم کی روایت کے مطابق، رودکی کے دور میں ایک عطّار شاعری کرتا تھا، جس کا کوئی شعر باقی نہیں رہا ہے۔ اسے رودکی کے مقابلے میں بَرتَر مانا جاتا تھا اور عرب کے امرئ القیس کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا۔'' (ایضاً، ص ۸۱) ڈاکٹر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ نویں صدی ہجری کے بعد فارسی شاعری میں اور زیادہ عطّار ملتے ہیں۔ (ایضاً، ص ۸۷)

مذکورہ مقدمہ درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

عطّار کا تاریخی پس منظر، عطّار کی تالیفات، عطّار کی شاعری کا سرچشمہ، سنائی سے عطّار تک، عطّار کی غزلیں، تذکرہ دولت شاہ میں عطّار کا ذکر، خواجہ نصیر الدین طوسی اور عطّار، نسب نامہ معنوی عطّار، عطّار کا ایک اور مطالعہ، فارسی شاعری میں عطّار کے تخلّص اور القاب، بوطیقائے عطّار، فارسی شاعری میں عطّار کا مقام۔ عطّار کے حالات اور اس کی تالیفات پر بحث کے بعد وہ 'منطق الطیر' کا خصوصی مطالعہ پیش کرتے ہیں اور اس حوالے سے تاریخی پس منظر بیان کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب عطّار کی شاعری کے سرچشمہ پر بات کرتے ہیں اور فارسی شاعری میں ان کا نمایاں مقام اجاگر کرتے ہیں: ''عطّار کی غزلیں فارسی کی عرفانی غزلوں کی تکمیل ہیں۔ (وہ غزلیں جو ابن عربی کے زیرِ اثر رہی ہیں) ایسی غزلیں، جن کا عروج ہمیں دیوانِ شمس میں ملتا ہے۔'' (مقدمہ، ص ۴۷) ''عطّار کی غزلوں کا سب سے اہم نکتہ ہیئت اور معنیٰ کی وحدت ہے۔ ایک شعری تجربہ تسلسل وار بیان کیا جاتا رہتا ہے۔ عطّار غزل کا مطلع کہتا ہے اور اسی راستے پر چلتا رہتا ہے اور دائرہ وار جہاں سے بات کا آغاز کیا تھا وہاں پر اس کا اختتام کرتا ہے۔ اس کی مثالیں عطّار کی قلندری غزلوں میں کثرت سے ملتی ہیں، جہاں ایک عارف کی اندرونی تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔'' (ایضاً، ص ۴۷) ''عطّار کی غزلوں میں صورت و معنیٰ کا تناسب بہ درجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ 'صورت' سے مُراد زبان، تصویر، رَمز (علامت)، موسیقی، شعری ہیئت اور 'معنیٰ' سے مُراد مضمون اور ابلاغ ہے۔'' (ایضاً، ص ۴۹۔ ۵۰)

سنائی اور عطّار کے زمانی فاصلے کے ذیل میں ڈاکٹر صاحب دیگر عارف شعرا (شگر (عطّار کے استاد)، مجد الدین بغدادی، شمس الدین محمد بن طغان کرمانی، صفی الدین یزدی) کا ذکر کرتے ہوئے ان کی عرفانی شاعری پر بحث کرتے ہیں۔

وہ 'بوطیقائے عطّار' کے ذیل میں اس باریک نکتہ کی نشان دہی کرتے ہیں کہ کیوں اور کس طرح مختلف زمانوں میں مختلف کاتب عطّار کے اشعار کو اپنے سلیقہ کے مطابق تبدیل کرتے رہتے تھے: ''عطّار کی تالیفات میں سے 'منطق الطیر' کے مخطوطات سب سے زیادہ ہیں۔ دنیا کے مختلف کتاب خانوں میں اس کے ۵۰۰/ نسخے محفوظ ہیں۔ متن شناسی کے پہلو سے ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ہر ایک کی مستقل کتابت، نقّاشی، جلد سازی اور تذہیب ہے۔'' (ایضاً، ص ۲۰۹) ''عطّار کے دور تک فارسی شاعری پُختہ ہو چکی تھی، لیکن عطّار کی نظموں میں کہیں کہیں شعری عروض کی پابندی نہیں ملتی اور انھوں نے شعری عروض کے ترم سے ہٹ کر بعض اشعار لکھے ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ عطّار الفاظ کے مقامی تلفّظ کو مدّنظر رکھتے تھے نہ کہ رسمی تلفّظ کو۔'' (ایضاً، ص ۸۸) ''مصیبت نامہ کے اس شعر میں گرِفتن (رسمی تلفّظ) ہے، جب کہ گرُفتن مقامی تلفّظ اور عطّار کے مطابق'' (ایضاً، ص ۹۲)

این سُخن نقل اَست زاسکندر که گُفت
ہرچه گیری مُعتدل بایَد گرُفت

'الٰہی نامہ' کے حسبِ ذیل شعر میں عطّار نے یقیناً 'شِر' (مقامی) تلفّظ کیا ہوگا۔ آج کل کے کدکن اور نیشابور میں بھی 'شِر' کا تلفّظ رائج ہے۔'' (ایضاً، ص ۹۲):

من که نه من مانده ام نه غیر من
بَرتر است از عقل، خیر و شر من

''ان قدیم نسخوں میں نسخۂ مراغی، شمارہ ۲۳۴، نسخۂ کتاب خانہ سلطنتی اور نسخۂ ایطالی میں یہ شعر بالکل اسی طرح ہے، لیکن ایک جدید نسخہ (جس کی تاریخِ کتابت ۷۰۵ھ ہے، اس میں کاتب نے اس طرح بدل دیا ہے:

بَرتَراَست اَز عقل و حیرت، سیرِ من '' (ایضاً، ص ۹۷)

''عطّار کی بعض نظموں کے قافیوں میں صامتِ ساکن یا متحرک مصوّت شامل ہے۔ درج ذیل شعر میں تمام قدیم نسخوں میں شُسُت کتابت کی گئی ہے، جب کہ جدید نسخوں میں 'شُستہ بود' ہے:

شیخ را دَر کعبه یاری چُسُت بود

دَرارادَت دَست اَز کُل شُسُت بود '' (ایضاً، ص ۸۹۔۹۰)

''درج ذیل شعر میں تمام قدیم نسخوں میں بُگذَشت کتابت کی گئی ہے، جب کہ جدید نسخوں میں بُگذَشت زود یا بُگذَشتہ بود ہے:

خانه او دَر میانِ دَشت بود

ناگہی موسی بَر و بُگذَشت بود '' (ایضاً، ص ۸۹)

''عطّار کی بعض نظموں کے قافیوں میں تین یا چار ساکن ساتھ ہیں۔'' (ایضاً، ص ۹۲)

بُزُرگانی که دین مقصود ایشانُست

زیانِ کارِ دُنیا سودِ ایشانُست

''دوسری عبارت میں کاتب وزنِ عروضی کو متوازن کرنے کے لیے ایسے اَبیات کے قافیہ اور رَدیف تبدیل کرتے تھے۔ عطّار کی بعض نظموں کے قافیہ میں اسم اور فعل ساتھ ساتھ لایا جاتا ہے۔'' (ایضاً، ص ۹۱) 'منطق الطیر' کا ایک شعر:

مردِ گنجی دید گنجی اختیار

سر بُریدَن بایدت اختیار

''جغرافیائی زبان (لہجہ) کی بنا پر عطّار دال/ذال کا قافیہ ملحوظ کرتے تھے۔ 'مصیبت نامہ' کا ایک شعر:

یک شبی می گُفت یحیی بن المعاد

گر مَرا بَخشَند دوزخ دَر معاد

[مُراد: یحیی معاذ رازی]'' (ایضاً، ص ۹۱)

''عطّار کے شعروں میں عروضی وزن کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ خواندَن، راندَن اور ایسے الفاظ، عروضی وزن 'فاعِلن' تلفّظ کیا جاتا تھا، جب کہ آج کل کی فارسی میں عروضی وزن 'فَع لُن' رائج ہے'' (ایضاً، ص ۹۵)

نکته‌ای کز هیچ کس نَشنیده‌ای

بَر کسی نه خوَاندی نه دیده‌ای

''قدیم نسخوں میں بالکل اسی طرح کتابت کی گئی ہے، لیکن جدید نسخوں میں نہ خوانده‌ای ہے۔'' (ایضاً)

''آج کل ہم مَنِشیں تلفظ کرتے ہیں، جب کہ عطّار کے شعروں میں اسے کھینچ کر کے پڑھنا ہے۔'' منطق الطیر کا ایک شعر:

قَصدِ تو دارَند بُگریز و بُرو

بَر دَرَم مَنشین بَرخیز و بُرو (ایضاً، ص ۹٦)

''جدید نسخوں میں کاتبوں نے متداول وزنِ عروضی کو برقرار رکھنے کے لیے 'و' یا 'تو' کا اضافہ کیا ہے:

بَر دَرَم مَنشین و بَرخیز و بُرو (ایضاً)

''یہاں تک کہ عطّار نے عربی الفاظ کو بھی ساکن کر کے تلفّظ کیا ہے، چنانچہ مندرجہ ذیل شعر میں اَفصح الفُصَحاء کو افصح الفُصحاء پڑھنا ہے:

بود او هم دَر عَ ☐ رَب هم دَر عَجَم

أفصح الفُصحاء فی کل الأمم (ایضاً، ص ۹۹)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے پرندوں کا تمثیلی سفر بیان کیا ہے۔ وہ پرندوں کے تمثیلی سفر کا پس منظر دکھاتے ہیں کہ منطق الطیر کی تالیف سے پہلے سنائی اور خاقانی نے ایسا منظر نامہ لکھا تھا۔ سنائی (۴٦۷-۵۲۹ ہجری) کا ایک قصیدہ ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

آراست دگربارہ جهان دار جهان را

چون خُلد برین کرد زمین را و زمین را

وہ موسمِ بہار کی توصیف کے بعد کچھ پرندوں کا سفر بیان کرتے ہیں۔ اس

کی تقلید میں خاقانی (۵۲۰۔۵۹۱ھ) نے ایک قصیدہ کہا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

زَدنَفَس سر بہ مِہر صبحِ ملمّع آفتاب
خیمہ روحانیان کرد معنبر طناب

ڈاکٹر صاحب مختلف تحریروں کا جائزہ لیتے ہیں، مثلاً ابن سینا (۳۷۰۔۴۲۸ھ) کا رسالہ الطیر، شہاب الدین سہروردی کا رسالہ الطیر، احمد غزالی (م ۵۲۰ھ) کی داستان مُرغان بہ روایتِ ابو الرّجاء چاچی (م ۵۱۶ھ)۔ عطّار کے بعد عزالدین مَقدسی نے عربی میں **کشف الأسرار من حِکم الطیور و الأزھار** تالیف کی۔ ڈاکٹر صاحب سیمُرغ کی تاریخی حیثیت کو بیان کرنے کے لیے تاریخی کتب کے علاوہ جانور شناسی کی کتابوں کا سراغ لگاتے ہیں۔ چنانچہ اَوِستا، شاہ نامہ فردوسی، علائی کی نُزہت نامہ، بحر الفوائد (چھٹی صدی ہجری) اور عین القُضاۃ (۴۹۲۔۵۲۵ھ)، سُہروردی (۵۴۹۔۵۸۷ھ) اور نجم الدین رازی (۵۷۳۔۶۵۴ھ) کی تالیفات میں سیمُرغ کے ذکر کی وضاحت کرتے ہیں۔ وہ شیخ صَنعان کی حکایت کے تاریخی پس منظر میں مختلف قدیم کتابوں کا سراغ لگاتے ہیں، مثلاً عبدالرزاق صنعانی کی تحفۃ الملوک، ابوعبداللہ اندُلسی کی داستان، شیخ صَنعان کی محلِ دَفن، راقد اللیل کی داستان، ولی خانقاہِ سمرقند کی داستان، موذّن بَلخ کی داستان وغیرہ۔ نیز اس سلسلے میں ایران کے دوسرے اسکالرز: مُجتبیٰ مینَوی، بدیع الزمان فُروزان فَر اور عبدالحسین زرّین کوب کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔ [۴]

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور قونیہ موزیم کے نسخۂ مراغی (شمارہ ۴۳۴۷) کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے:

ایران میں دست یاب نسخے: نسخہ کتاب خانہ سلطنتی سابق = موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان، نسخہ دار المثنوی، تاریخ کتابت ۸۱۱ھ، نسخہ دانش گاہِ تہران، تاریخ کتابت آٹھویں صدی ہجری، نسخہ دائرۃ المعارفِ بُزرگِ اسلامی، تاریخ کتابت ۷۰۵ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز، نسخہ آستان قُدس رضوی، تاریخ کتابت ۸۹۷ھ اور ۹۱۱ھ کے درمیان۔

ترکی میں دست یاب نسخہ: نسخۂ مراغی کا دوسرا شمارہ۔
نیز کتب خانہ سلطنتی ٹورینو کا ایک نسخہ اور مولانا میوزیم کا ایک نسخہ (تاریخ کتابت ۸۷۳ھ، بہ خطِ بُخاری)

۲۔الٰہی نامہ

عطّار اس مثنوی میں ایک بادشاہ کی داستان بیان کرتے ہیں، جس کے چھ بیٹے ہیں۔ ہر ایک بیٹے کا ایسا بڑا خواب ہے جس کا پورا ہونا ناممکن ہے۔ پہلے بیٹے کا خواب: شاہ پَریان کی بیٹی سے شادی کرنا، دوسرے بیٹے کا خواب: سحر اور جادو سیکھنا، تیسرے بیٹے کا خواب: جامِ جم پانا، چوتھے بیٹے کا خواب: آبِ حیات حاصل کرنا، پانچواں بیٹے کا خواب: حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی پانا اور چھٹے بیٹے کا خواب: کیمیا حاصل کرنا۔ بادشاہ اپنے ہر بیٹے کو اس خواب کی حقیقت بتاتے ہوئے اس کی تحقیر کرتا ہے۔ عطّار اس مثنوی میں یہ پیغام دیتے ہیں کہ جس چیز کی طلب میں ہو، وہ تمہارے ہی اندر موجود ہے۔''

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور تہران کے نسخۂ کتاب خانہ کاخ گُلستان کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔(بہ خط: ابوبکر بن علی بن محمد اَسفراینی معروف بہ باکان۔تاریخ کتابت ۷۳۱ھ)

ایران کے دست یاب نسخے: نسخۂ کتاب خانہ مرکزِ دائرۃ المعارفِ بُزرگِ اسلامی، تاریخ کتابت ۸۷۳ھ، کتاب خانہ مَلِک کے دو نسخے، نسخہ عارف حکمت، تاریخ کتابت ۸۵۹ھ، نسخہ کتاب خانہ آیت اللہ مَرعَشی، تاریخ کتابت ۷۸۳ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز۔ تاریخ کتابت اندازاً ۸۸۵ھ۔

ترکی کے دست یاب نسخے: نسخۂ ایا صوفیا، تاریخ کتابت ۸۱۶ھ، نسخہ کتب خانہ فاتح، تاریخ کتابت ۷۲۹ھ، نسخہ کتب خانہ سلطان محمد فاتح، تاریخ کتابت ۸۶۳ھ، مجموعہ اونی ورسٹیہ۔

نیز: نسخۂ برٹش میوزیم، تاریخ کتابت ۸۱۳ھ، نسخہ دارالکتب قاہرہ، نسخہ انڈیا آفس، تاریخ کتابت ۸۰۷ھ۔

۳۔مصیبت نامہ

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی رائے میں ''غالباً یہ عطّار کی آخری تالیف ہوگی۔'' (مقدمہ منطق الطیر، ص ۳۵) عطار اس تمثیلی مثنوی میں ایک سالکِ فکرت کی کہانی بیان کرتے ہیں۔ سالکِ فکرت جو، اس نظم کا ہیرو ہے، اس کے پاس ایک معرفتی مسئلہ ہے، جس کے حل کے لیے وہ کائنات کی ہر شے سے رجوع کرتا ہے: پہلے مقالے میں جبرئیل، دوسرے میں اسرافیل، تیسرے میں میکائیل، چوتھے میں عزرائیل، پانچویں میں عرش کا حامل فرشتہ، چھٹے مقالے میں عَرش، ساتویں مقالے میں کُرسی، آٹھویں مقالے میں لوحِ محفوظ، نویں مقالے میں قلَم، دسویں مقالے میں جنّت، گیارھویں مقالے میں دوزخ، بارہویں مقالے میں آسماں، تیرہویں مقالے میں سورج، چودہویں مقالے میں چاند، پندرہویں مقالے میں آگ، سولہویں مقالے میں ہوا، سترہویں مقالے میں پانی، اٹھارویں مقالے میں مٹی، انیسویں مقالے میں پہاڑ، بیسویں مقالے میں دریا، اکیسویں مقالے میں جماد، بائیسویں مقالے میں نَبات، تیئیسویں مقالے میں وُحوش، چوبیسویں مقالے میں پرندے، پچیسویں مقالے میں جانور، چھبیسویں مقالے میں جن، ستائیسویں مقالے میں آدمی، اٹھائیسویں مقالے میں آدمؑ، انتیسویں مقالے میں نوحؑ، تیسویں مقالے میں ابراہیم خلیل اللہؑ، اکتیسویں مقالے میں موسیٰؑ، بتیسویں مقالے میں داوٴدؑ، تینتیسویں مقالے میں عیسیٰؑ، چونتیسویں مقالے میں حضرت محمد مصطفی ﷺ، پینتیسویں مقالے میں حِس، چھتیسویں مقالے میں خیال، سینتیسویں مقالے میں عقل، اڑتیسویں مقالے میں دل، انتالیسویں مقالے میں روح۔ ان میں سے ہر ایک سے وہ حل اور مدد طلب کرتا ہے لیکن سب کے سب اظہارِ عجز کرتے ہیں۔ ہر ایک سے گفتگو کرنے کے بعد وہ مایوس

ہو کر اپنے پیر کے پاس لوٹ جاتا ہے۔ پیر چند ہی جملوں میں اس شے یا شخص کی مجبوری کی وضاحت کرتا ہے۔ آخر کار سالکِ فکرت اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ بے کار جستجو میں لگا ہوا تھا۔ اس نے جس چیز کی تلاش میں اپنی بھر پور طاقت اور قیمتی عمر گنوا دی وہ اسی کی ذات کے اندر موجود تھی۔ جب اسے معلوم ہو گیا کہ سب چیز خود سے طلب کرنا ہے تو وہ اپنی جان سے پوچھتا ہے: ''تم سبھی چیزوں کی اصل ہو، پھر تم نے مجھے اتنی مصیبت اور مشقّت میں کیوں ڈالا ؟ پوری کائنات کا سفر کیوں کروایا؟'' جان یوں جواب دیتی ہے: ''اس لیے کہ میری قدر کرو۔'' (ایضاً، ص ۳۶)

اس کتاب کے حوالے سے ڈاکٹر شفیعی کدکنی رقم طراز ہیں:

''چالیس سال سے زیادہ عرصہ سے میں عطّار اور ان کی تالیفات کی جُستجو اور ان کا مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ چنانچہ بڑے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ 'منطق الطیر' کے بعد 'مصیبت نامہ' عطار کے شاہ کاروں میں سے ہے۔ 'منطق الطیر' میں پرندوں کے سفر کی منظر نگاری انتہائی پُختگی پر ہے۔ 'مصیبت نامہ' ایک گہرا عرفانی فن پارہ ہے، جس میں عطّار کی اعلیٰ ذہانت اور نایاب عرفانی تجربے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ روحانی تجربات ان کی دوسری تصانیف میں اس گہرائی اور وسعت کے ساتھ نہیں ملتے۔ اس کتاب میں جہاں ان کی معرفت ملتی ہے وہیں اس میں معاشرتی زندگی کی بہترین عکاسی بھی موجود ہے۔ فارسی ادب کی نظموں میں یہ ایک بے مثال نظم ہے، جس میں دیہاتی اور شہری زندگی کے مختلف پہلو اور معاشرے کے لوگوں کے دُکھ سُکھ کی توصیف کی گئی ہے۔ اس میں ایسے دیوانوں اور مجذوبوں کی حکایتیں بیان کی گئی ہیں جنھوں نے معاشرے کے ٹیبو (taboo=ممانعت) پر تنقید کی ہے۔ ایسی مثالیں عالمی ادب میں کم یاب اور اسلامی ادب میں نایاب ہیں۔'' (ایضاً، ص ۲۹)

ڈاکٹر صاحب کے مبسوط مقدمہ میں یہ ذیلی موضوعات شامل ہیں: روحانی سفر کا پس منظر، مذاہب میں معراج اور حضور ﷺ کا سفرِ معراج، اردو ویرنامہ، جس

میں دانتے کی کتاب کا مختصر تجزیہ شامل ہے۔ انہوں نے 'عُرفا کے روحانی سفر' کے ذیل میں کچھ نمایاں متون کا موازنہ کیا ہے: بایزید بسطامی کے بعض روحانی سفر (تجربات) کے متن، مُحی الدین ابن عربی کی کتاب: **الاسراء الی مقام الأسریٰ** (۵۹۴ھ)، سنائی غزنوی کی **سیر العباد الی المعاد**، شمس الدین بَردسیری کرمان کی مِصباح الاَرواح، نجم الدین کُبریٰ کی آداب السلوک الی حضرۃ مالک المُلک ومَلِک الملوک اور ابوالفتح یحییٰ بن بہاء الجوینی کی تالیف، جو ساتویں صدی ہجری کی ہے۔ اس سلسلے میں عربی میں ابوالعلا مُعرّی (۳۶۳۔ ۴۴۹ھ) کی الغُفران پر بھی بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے اور نسخۂ مراغی کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔ (بہ خط ابراہیم بن عوض مراغی، تاریخ کتابت ساتویں صدی ہجری کا آخر)

ایران میں دست یاب نسخے: دوسرا نسخۂ مراغی، نسخہ کتاب خانہ سلطنتی سابق = موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان، تاریخِ کتابت ۷۳۱ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز، تاریخِ کتابت ۸۸۵ھ، نسخہ آستان قُدس رضوی، تاریخِ کتابت: ۸۹۷ھ اور ۹۱۱ھ کے درمیان، نسخہ کتاب خانہ آیت اللہ مَرعَشی، تاریخ کتابت ۷۸۳ھ۔

ترکی میں دست یاب نسخے: نسخہ کتب خانہ نافذ پاشا، تاریخِ کتابت ۷۴۰ھ، مجموعہ اونی ورسٹیہ، تاریخِ کتابت ۸۱۵ھ، نسخہ عاطف افندی، تاریخ کتابت: ۸۲۸ھ۔

۴۔ اَسرارنامہ

یہ عطّار کی منظوم تالیف ہے۔ اس کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی نعت اور خلفائے راشدین کی منقبت ہے۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے بہ قول: ''اَسرارنامہ غالباً عطّار کی پہلی یا دوسری نظم ہوگی۔ تذکرہ نویسوں کی رائے کے مطابق جب مولوی اپنے والد کے ساتھ نیشابور سے گزر رہے تھے تب عطّار نے یہ نظم مولوی کو ہدیۃً پیش کی تھی۔'' (مقدمہ اَسرارنامہ، ص ۱۵)

یہ کتاب اٹھارہ مقالات پر مشتمل ہے۔ پہلا مقالہ : انسان کی تحسین ،دوسرا مقالہ : عشق کی تحسین ، تیسرا مقالہ : انسان اور امانتِ الٰہی، چوتھا مقالہ : جنّت کی حقیقت اور اس سے بہتر اللہ تعالیٰ کا دیدار ، پانچواں مقالہ : انسان کا اصل جوہر، چھٹا مقالہ : اِس جہاں اور اُس جہاں کا ارتباط ،ساتواں مقالہ : دریائے غیب کا ادارک عقل سے میسر نہیں، آٹھواں مقالہ: دُنیوی رنج و الم کے بعد اُخروی خوشیوں کا حصول ،نواں مقالہ :انسان غفلت میں ہے اور اسے دین اور دُنیا کی تمییز نہیں ،دسواں مقالہ: کسی کو اللہ تعالی کے اَسرار و رُموز کا علم نہیں، گیارہواں مقالہ:موت عُرفا کی نگاہ میں، بارہواں مقالہ : موت اور آخرت کی بحث، تیرھواں مقالہ : موت ایک حقیقت ہے اور ہمیں اسی مٹی میں جانا ہے، چودھواں مقالہ : انسانی غفلتیں ، پندرھواں مقالہ : بڑھاپا اور لالچ ،سولہواں مقالہ : انسانی ضرورتیں ریت کی طرح ہیں ، جو آہستہ آہستہ پہاڑ بن کر انسان کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، سترہواں مقالہ : سحر میں مناجات، اٹھارہواں مقالہ : نصیحتیں۔ عطّار ہر مقالہ میں کسی موضوع پر بحث کرتے ہوئے حکایات نقل کرتے ہیں۔

ڈاکٹر شفیعی کدکنی کی رائے میں ’’ غالباً عطّار نے ان مقالات کا عنوان نہیں دیا ہوگا۔ یہ کام کاتبوں کا ہوگا۔ انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق ہر مقالہ کا نام رکھ دیا ہے۔ عطّار کے زمانے کے بعد، مختلف کاتب اصل متن میں تصرّف کرتے تھے اور مقالات کے عنوان بھی تبدیل کر دیتے تھے۔‘‘ (ایضاً، ص ۶۴)

اس تصحیح کے مقدّمے میں یہ مباحث شامل ہیں:

عطّار کی عرفانی الٰہیّات، نورِ محمدیؐ کی ازلیّت، صحابۂ کرام کی منقبت اور تعصّب کی مذمّت، انسان کی تحسین، عقل اور عشق، کائنات میں عشق کی روانی، حرکتِ جوہری (دیالیکٹیکس)، انسان اور امانتِ الٰہی، دل اور جسم کا تعلق، جنّت اور دوزخ کی حقیقت، ایک طریقہ عقل کے اوپر، علّیتِ فلسفی کی تنقید، جنّت سے اعلیٰ، موت کی حقیقت، حقیقی معرفت ناممکن ہے، جنّت اور دوزخ تم ہی ہو، علم اور پارسائی (تقویٰ) کا لازم و ملزوم

ہونا، درد کا مفہوم عطّار کی نظر میں، دریائے غیب کے کنارے، خود سے مرنا، انسان اور اپنی پہچان، وجود اور عَدَم، اسے، اسی سے پہچاننی چاہیے، انسان کی فطرت اور عہدِ اَلَست، عشق تو تالیترہ اور تمام خواہ ہے، انسان اور کائنات، زندگی اور موت کا لازم ملزوم ہونا، خیّام اور خلقتِ جہان، انسان، مٹّی اور دنیا کے چند روز، انسان اور بوڑھاپن، لالچ کے نقصانات، سحر کے وقت جاگنے کی تحسین، نصیحتیں، عطّار کی شاعری۔

ڈاکٹر صاحب 'عطّار کی عرفانی الٰہیّات' کے ذیل میں سنائی کے 'حدیقۃالحقیقۃ' کے خطبۂ توحید اور عطّار کے آغازِ کتاب کا موازنہ کرتے ہوئے ان دو بُزرگوں کی توحیدی نگاہ کا جائزہ لیتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ''سنائی کی زبان ایک متکلّم (علمِ کلام کا ماہر) کی ہے، جب کہ عطّار کی زبان احساسات کی ہے۔ سنائی استدلال سے توحید کی بات کرتے ہیں، جب کہ عطّار کائنات کے ایک ایک ذرّہ پر تامل کرتے ہوئے ہمیں باری تعالیٰ کی پہچان کراتے ہیں۔'' (ایضاً، ص ۲۱)

'انسان کی تحسین' کے ذیل میں: ''عطّار کی بات یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے سفر میں ہے، ایک روحانی اور تکمیلی سفر۔ وہ ایک پتّے کی مثال دیتے ہیں کہ کس طرح ایک عام پتّا ریشمی اور قیمتی کپڑے میں بدل جاتا ہے۔ انسان کو بھی یہ سفر طے کرنا ہے۔'' (ایضاً، ص ۲۷) ''عطّار علم اور درد کی ہم راہی کو لازمی سمجھتا ہے۔ ان کے خیال میں جو صاحبِ درد ہوگا اس کا علم الیقین عین الیقین میں بدل جائے گا۔ عطّار کی رائے میں درد سے مُراد شوق اور تڑپ ہے، روحانی امور کی دریافت کی کیفیت ہے۔'' (ایضاً، ص ۴۲)

ڈاکٹر صاحب ٹھوس دلائل سے یہ ثبوت پیش کرتے ہیں: ''اس کتاب کے آخری مقالے میں کچھ نصیحتیں ۱۱۰/اشعار پر مشتمل ہیں۔ ہم پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پندنامہ یہی اٹھارہواں مقالہ ہے، جسے صدیوں تک غلطی سے عطّار کی جانب منسوب کیا گیا ہے اور مدارس میں نصابی کتب کے طور پر پڑھایا گیا ہے۔ پندنامہ کے نسخوں کی تعداد 'منطق الطیر' کے نسخوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہے۔'' (ایضاً، ص ۵۹)

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا

ہے اور قونیہ میوزیم کے نسخۂ مراغی کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔ (بہ خط ابراہیم بن عوض مراغی، تاریخِ کتابت: ساتویں صدی ہجری کا آخر)

ایران میں دست یاب نسخے: نسخۂ کتاب خانہ سلطنتی سابق = موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان، کلیاتِ عطّار نسخہ کتاب خانہ آیت اللہ مرعشی، تاریخ کتابت ۷۷۴ ھ، نسخہ کتاب خانہ ملّی تبریز، تاریخ کتابت ۸۸۵ ھ، کتاب خانہ آستان قُدس رضوی، تاریخِ کتابت ۸۹۷ ھ اور ۹۱۱ ھ کے درمیان۔

ترکی میں دست یاب نسخے: دوسرا نسخۂ مراغی، نسخہ حالت افندی مُلحقی، نسخہ افندی، تاریخِ کتابت ۸۱۵ ھ، نسخہ عاطف افندی، تاریخ کتابت ۸۲۸ ھ، نسخہ مجموعہ اونی ورسٹیہ، تاریخ کتابت: ۸۲۶ ھ۔

۵۔مُختار نامہ

یہ عطّار کی رُباعیات کا مجموعہ ہے، جس میں نثر میں ایک مقدمہ بھی شامل ہے۔ یہ رباعیات حسبِ موضوع پچاس (۵۰) ابواب میں تقسیم کی گئی ہیں: توحید، فَنا، حیرت، روح، خموشی، ہمّت، ترکِ دُنیا، موت، نومیدی، امید، شوق، عاشق اور معشوق کی صفات، پھول، صبح، پروانہ، شمع وغیرہ۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے بہ قول: ''یہ عطّار کی عمر کے آخری زمانے کی تالیف ہے اور غالباً عطّار پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی رُباعیات مستقل کتاب میں لکھی ہیں اور موضوعات کے اعتبار سے ان کی تقسیم کی ہے۔'' (مقدمہ مختار نامہ، صفحہ ۱۲)

ڈاکٹر صاحب کی اس تصحیح کے مقدمے میں عطّار کے سوانح حیات اور تالیفات، ان کی شعری خصوصیت اور فارسی شاعری میں ان کا مقام شامل ہیں۔ انھوں نے مضبوط شواہد سے عطّار کی مسلّم تالیفات کی نشان دہی کی ہے اور داخلی شواہد (اسلوبیات، تاریخ تصوّف) اور خارجی شواہد (نسخہ شناسی) کے ذریعے یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ خُسرو نامہ (= مثنوی گُل وہُرمز) عطّار کی نہیں ہے: ''عطّار نے مختار نامہ کے مقدمے میں اشارہ کیا ہے کہ انھوں نے اپنی دو تصانیف: شَرحُ القُلب اور جواہر نامہ

جلا کر مٹا دی تھیں۔'' (مقدمہ مختار نامہ، صفحہ ۱۲)

ڈاکٹر صاحب عطّار کی رُباعیات میں وسعتِ موضوعات کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں:

''فارسی ادب میں کچھ ایسے شاعر گزرے ہوئے ہیں جنھوں نے بہت زیادہ رُباعیات لکھی ہیں، مثلاً اوحد الدین کرمانی، بیدل دہلوی، سحابی اَستر آبادی، تاہم ان کی رباعیات عطّار کی رباعیات کے ہم پایہ نہیں۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۱۲) ''فارسی شاعری میں ہیئت موضوع پر غالب ہے، لیکن رباعی ایسی ہیئت ہے جس میں شعری تجربہ ہیئت پر غالب ہے۔ چنانچہ عطّار کی دوسری تالیفات کے مقابلے میں 'مختار نامہ' میں ان کے روحانی تجربات اور 'لمحات' (ایک عارف کے حالات: بے قراری، شوق، تحیّر وغیرہ) نمایاں طور پر دکھائی دیتے ہیں۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۱۲) ۵؎

''ان رباعیات کا مطالعہ، خیّام شناسی کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ ان میں بہت سی ایسی رباعیات ملتی ہیں جو خیّام کی مانی گئی ہیں، لیکن وہ عطّار کے قدیم نسخوں میں بھی موجود ہیں۔''

''عطّار کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تمام ادبی تالیفات کو عرفان پر وقف کر دیا ہے۔ ان کی مسلّم الثبوت تالیفات میں ایک شعر بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا عرفانی رنگ نہ ہوگا۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۲۰)

''مولوی کا تصوّف تسلسل ہے عطّار کا۔ عطّار کا تصوّف سنائی کا تکمیل شدہ تصوّف ہے، جس میں زاہدانہ پہلو کم تر اور شیدائی اور ترنّم زیادہ تر ہے۔ عطّار کی شاعری کی زبان سنائی کی نسبت نرم تر ہے اور کبھی کبھی زُبانِ گُفتار کے قریب۔ وہ عرفان کے گہرے اور باریک مسائل کو بے تکلّفی، روانی اور سادگی سے ادا کرتے ہیں۔ عطّار کی شاعری میں شعری صنائع غالب ہیں نہ بھاری بھرکم عرفانی اصطلاحات۔'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۲۱-۲۲)

ڈاکٹر شفیعی کدکنی نے اس کتاب کی تصحیح میں مندرجہ ذیل نسخوں کا مقابلہ کیا ہے

اور ترکی کے مجموعہ اونی ورسیٹہ کو نسخۂ اساس قرار دیا ہے۔(تاریخ کتابت:۸۲۶ھ)
ایران میں دست یاب نسخے :نسخۂ کتاب خانہ سلطنتی سابق =(موجودہ کتاب خانہ کاخ گُلستان)، تاریخِ کتابت ۱۳۱۷ھ، نسخہ کتاب خانہ مرکزِ دائرۃ المعارف بُزرگِ اسلامی، تاریخ کتابت ۸۳۲ھ، چاپِ سَنگی، ناشر: کتاب خانہ میر کمال، تاریخِ کتابت: ۱۲۵۳ھ۔

زبورِ فارسی

اگر کوئی شخص عطّار کی زندگی اور شاعری کے بارے میں معلومات چاہتا ہے تو اس کے لیے یہ کتاب مُفید ہوگی۔ اس میں جامع اور مختصر انداز میں عطّار کی سوانح اور شعری خصوصیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔اس میں شعروں کا انتخاب بھی شامل ہے۔ یہ کتاب تین مباحث پر مشتمل ہے: پہلے حصہ کا عنوان ہے:'دَرون سے بُرون تک'۔ اس میں عطّار کی شاعری کی جمالیات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی اس باریک نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عطّار خُراسان میں رہتے تھے،تاہم ان کی شعری جمالیات خُراسان کے روایتی اسلوبِ شعری سے بالکل علیحدہ ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر صاحب مختلف اسکالرز کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔ عطّار کی نظموں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان کی شعری جمالیات میں خاقانی، اَنوری، نظامی، فرّخی اور منوچہری کے جمالیاتی عناصر نہیں پائے جاتے۔''(مقدمہ زبورِ پارسی،ص ۱۷)

اس کے بعد انھوں نے عطّار کی زندگی، ماحول اور شاعری سے بحث کی ہے۔اس کتاب کے دوسرے ذیلی عنوانات یہ ہیں: عطّار کا تاریخی پس منظر، عطّار کی تالیفات، عطّار کی شاعری کا سرچشمہ، سنائی سے عطّار تک، عطّار کی غزلیں، عطّار کا ذکر تذکرۂ دولت شاہ میں، نسب نامہ معنویِ عطّار، عطّار پر ایک اور مطالعہ، فارسی شاعری میں عطّار کے تخلص اور القابات۔ کتاب کے دوسرے حصے میں عطّار کی غزلوں اور رُباعیات کا انتخاب اور تیسرے حصے میں تعلیقات ہیں۔

خلاصۂ بحث

عطّار کی پیدائش کدکن (نیشابور کا قصبہ) میں ہوئی تھی۔ ڈاکٹر شفیعی کا تعلق بھی کدکن سے ہے۔ انہوں نے مُستند تحقیقات کے ساتھ عطّار شناسی کا ایک نیا باب کھولا ہے۔ عطّار کے حوالے سے ڈاکٹر شفیعی کدکنی قلم طراز ہیں: ''اگر فارسی کی عرفانی شاعری کو ایک مُثَلّث کی طرح فرض کرلیں تو اس کا ایک ضلع عطّار رہے، دوسرا سنائی اور تیسرا مولوی ۔ دوسرے معنوں میں فارسی کی (باقاعدہ) عرفانی شاعری کا آغاز سنائی سے ہوتا ہے، عطّار کے یہاں وہ کمال تک پہنچتی ہے اور مولوی کے یہاں جا کر اسے عروج حاصل ہوتا ہے۔'' (منطق الطیر ، مقدمہ، ص ۱۷) اس اہمیت کی بنا پر ڈاکٹر شفیعی نے عطّار کی تالیفات کی تصحیح کی اور ان کے مقدموں میں عطّار کی فکر کے نئے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

عطّار شناسی کے سلسلے میں ڈاکٹر شفیعی کی دو اور تصحیحات ہیں: مقدمہ، تصحیح و تعلیقات دیوان عطّار اور مقدمہ، تصحیح و تعلیقات تذکرۃ الاولیاء ۔ یہ ابھی زیرِ اشاعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ڈاکٹر صاحب کی عمر میں برکت دے اور ان کی تالیفات و تصحیحات کو ہماری علمی زندگی کے لیے مشعلِ راہ بنائے۔

[شیخ فریدالدین عطار کے بعض متصوفانہ خیالات اسلامی نقطۂ نظر سے قابل نقد ہیں۔ مقالے میں ان سے تعرض نہیں کیا گیا ہے۔ ادارہ]

حواشی و مراجع

۱۔ عبدالجواد ادیب نیشابوری (۱۸۶۴ء-۱۹۲۵ء) ایران کے ماہر استاد، جو فارسی اور عربی کی نظم و نثر ، فلسفہ، فلکیات، فقہ ، رجال، تاریخ ، طب اور موسیقی پر کامل عبور رکھتے تھے ۔ ان کے شاگردوں میں ملک الشعرا بہار (۱۸۸۴ء-۱۹۵۱ء) اور بدیع الزمان فروزان فر مشہور ہیں۔
سید ہاشم مُدرّس قزوینی (۱۸۹۱ء-۱۹۶۰ء) ایران کے حوزۂ علمیہ مشہد کے استاد۔
سید محمد ہادی میلانی (۱۲۷۳- ۱۳۵۴ شمسی) علوم قرآنی اور تفسیر کے ماہر۔

۲۔ ڈاکٹر شفیعی کدکنی کے بعض مجموعہ کلام یہ ہیں: آئینہ ائے برائے صداہا، کوچہ باغ ہائے

نشابور، زمزمه ہا۔

۳۔ بدیع الزّمان فروزان فَر (۱۹۰۴ء۔۱۹۷۰ء) معاصر ایرانی فارسی اسکالرز کے استاذ الاساتذہ۔ ان کی مشہور تصحیحات یہ ہیں: فیہ ما فیہ؛ از گُفتارِ مولانا جلال الدین محمد بن حسین خطیبی بلخی مشہور بہ بہاء ولد (پہلی اشاعت: ۱۹۵۴ء۔۱۹۵۹ء)، معارف بُرہان الدین محقق ترمذی (پہلی اشاعت: ۱۹۶۰ء)

عبدالحسین زَرّین کوب (۱۹۲۳ء۔۱۹۹۹ء) کی مشہور تالیفات یہ ہیں: پلّہ پلّہ تا ملاقات خُدا؛ دربارہ زندگی، اندیشہ و سلوک مولانا جلال الدین رومی (پہلی اشاعت: ۱۹۷۹ء)۔ سرّ نی؛ نقد و شرح تحلیلی و تطبیقی مثنوی معنوی (پہلی اشاعت: ۱۹۸۵ء)

سید صادق گوہرین (۱۹۱۴ء۔۱۹۹۵ء)۔ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ فرہنگ لُغات و تعبیرات مثنوی (۹ جلدیں) ۱۹۵۹ء میں کتابی صورت میں شائع ہوا تھا۔ اب تک اس کے متعدد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔

فوادروحانی (۱۹۰۷ء۔ ۲۰۰۴ء) ایران کے مشہور اور ماہر مترجم، جن کو کئی زبانوں پر مکمل عبور تھا۔ وہ اوپیک کے پہلے سکریٹری جنرل رہ چکے تھے (۲۱ جنوری ۱۹۶۱ء سے ۳۰ اپریل ۱۹۶۴ء تک)۔

ہلموٹ ریٹر Hellmut Ritter۔ (۱۸۹۲ء۔۱۹۷۱ء)۔ جرمن مستشرق۔ اسلامی عرفان اور عطّار شناسی کے سلسلے میں ان کی ایک کتاب لاجواب ہے: Das Meer der Seele: Mensch, Welt und Gott in den Geschichten des Fariduddin Attar (Leiden 1955۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ دریائے جان کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ اس نام سے ہے: The Ocean of the Soul: Man, the World and God in the Stories of Farid al-Din Attar, by John O'Kane, Leiden, 2003.

عبداللہ نورانی وصال (۱۹۲۳ء۔ ۱۹۹۴ء)۔ ان کی مشہور تالیف: فرائد السلوک کی تصحیح (ڈاکٹر غلام رضا آفراسیابی کے تعاون سے۔ پانچ نسخوں کا مقابلہ) (۱۹۸۹ء)۔

کتاب شناسی شیخ فرید الدین عطّار نیشابوری، علی میر انصاری، پہلی

اشاعت: ۱۹۹۵ء۔

۴۔ مُجتبیٰ مینَوی (۱۹۰۳۔ ۱۹۷۷ء) فارسی کے بڑے اسکالر ہیں۔ ان کی عمدہ تالیف: تصحیح کلیله و دمنه (پہلی اشاعت: ۱۹۶۴ء) ہے۔

۵۔ اوحدالدین کرمانی (م ۶۳۵ھ)۔اوحدالدین کرمانی کا ایک مجموعہ رُباعیات استانبول میں موجود ہے، جس کی تاریخِ کتابت شوال ۷۰۶ھ کی ہے۔اس مجموعہ کو ۱۲/ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے،لیکن معلوم نہیں، یہ خود شاعر کی تقسیم کی ہے یا کسی اور کی؟'' (مقدمہ مختار نامہ، ص ۱۲)

تہذیب وسیاست کی اسلامی قدریں

مولانا سید جلال الدین عمری

آج اسلامی تہذیب کو مغربی تہذیب کے لیے ایک چیلنج سمجھا جا رہا ہے اور اس کی تصویر بگاڑنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔کبھی تو اس کے مستقل وجود ہی سے انکار کیا جاتا ہے۔ پیش نظر کتاب میں تہذیب وسیات کی تعمیر میں اسلام کا کردار، سلام، امن وسلامتی کا پیغام، تحائف کی دینی وسماجی حیثیت، اسلام اور اصول سیاست، اسلام اور سیاست، اسلام کا شورائی نظام، مغرب اور انسانی حقوق کی تحریک، اسلام اور انسانی حقوق کی ضمانت جیسے موضوعات پر اسلامی نقطۂ نظر سے گفتگو کی گئی ہے اور بعض سوالات یا اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

یہ مولانا کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے مختلف مواقع پر سپرد قلم فرمائے تھے اور وہ مجلہ تحقیقات اسلامی علی گڑھ میں شائع ہوئے۔ان کی یکجا ترتیب سے تہذیب و سیاست کے میدان میں اسلام کے نقطۂ نظر کی عمدہ پیرائے میں وضاحت ہوتی ہے اور اس کی تعمیر میں اسلام کا انقلابی کردار نمایاں ہوتا ہے۔ **صفحات: 96 قیمت: 65روپے**

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز نئی دہلی 110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ 202002

بحث ونظر

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کا قیام

ڈاکٹر حافظ محمد منشا طیب

کسی بھی معاشرے میں نظم وضبط کا قیام کلیدی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔اس کی ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب اس میں قانون کی حکم رانی ہو۔عسکری معاملات ہوں یا انتظامی، مالی معاملات ہوں یا معاشرتی ،ان میں نظم وضبط جس قدرزیادہ ہوگا کام یابی اسی قدر یقینی ہوگی۔ وقت کی پابندی،عہد کی پاس داری ،حقوق وفرائض کی ادائیگی ،قوانین کا احترام ،نظم وضبط کے اہم ترین اجزائے ترکیبی ہیں۔کسی بھی ریاست میں ان کی موجودگی ریاست کے استحکام اور معاشرتی ترقی کی ضامن ہے۔ریاستیں اپنے عوام کو نظم وضبط کا پابند بنانے کے لیے مختلف قوانین وضع کرتی اور نافذ کرتی ہیں۔ مغرب کے دانش وروں کی رائے میں کسی بھی معاشرے میں عوام الناس کو نظم وضبط کا پابند بنانے کا طریقہ سزاؤں کا نفاذ ہے۔ان کے نقطۂ نظر کے مطابق اسی طریقے سے نظم وضبط کی پابندی ممکن ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ سزاؤں کا نفاذ اورقوانین کا اجرا نظم و ضبط کا پابند بنانے کا آخری حربہ ہے۔ اسلامی ریاست نفاذِ قانون سے قبل بہت سے امورکااہتمام کرتی ہے،جن سے عوام میں نظم وضبط کی پابندی کی خو پیدا ہوجاتی ہے۔

اسلام اور نظم وضبط

معاشرے میں شہریوں کی جان و مال کا تحفظ، امن وامان کی بحالی، عدل و انصاف کی فراہمی اور بنیادی حقوق کی پاس داری وغیرہ معاشرتی نظم وضبط کے زمرے

میں آتے ہیں۔ کسی بھی ریاست میں ان عوامل کی صورت حال جس قدر بہتر یا ابتر ہو گی اس کا نظام اتنا ہی معیاری یا غیر معیاری تصور کیا جائے گا، یعنی ریاست کی کارکردگی کا انحصار اس کے قائم کردہ نظم پر ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلامی ریاست اس خصوصیت کی حامل ہے کہ اس کی بنیاد ہی نظم وضبط پر ہوتی ہے۔ اسلام نے اجتماعی زندگی کے سلسلے میں ایسے آداب سکھائے ہیں جن سے معاشرے میں لازمی طور پر نظم قائم ہوتا ہے۔ اسلام اپنے متبعین کو اجتماعی زندگی کی لڑی میں پروتا اور انہیں نظم وضبط کا درس دیتا ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس طرف توجہ دلاتی ہیں کہ یہ کائنات کسی حادثے کے طور پر وجود میں نہیں آ گئی ہے، بلکہ اس کو اس قدر منظم، مرتّب اور منضبط بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اسلامی تعلیمات انسان کو اس امر پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں کہ زمین وآسمان کی تخلیق اور دن اور رات کے آنے جانے میں ایک خاص نظم موجود ہے۔ نظامِ کائنات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جائے تو آشکارا ہو گا کہ یہ لامتناہی اور بیکراں وسعتوں کی حامل کائنات کتنے سلیقے اور نظم وضبط سے بنی ہے اور چلائی جا رہی ہے۔ اس سے انسان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ بھی اپنی زندگی میں نظم وضبط پیدا کرے۔

نظم وضبط کی تربیت

اسلام اپنے پیروکاروں کی اجتماعی زندگی کو نظم وضبط کے سانچے میں ڈھلا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے لیے وہ متعدد پہلوؤں سے ان کی تربیت کرتا ہے۔ اسلام کا نظامِ عبادات ہو یا سلسلۂ غزوات، انسان کے انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی، ان سب میں نظم وضبط کی تربیت کا پہلو موجود ہے۔

اسلام کا نظامِ عبادات

تمام اسلامی عبادات میں نظم وضبط کی تربیت کا پہلو پایا جاتا ہے۔ مثلاً نماز کو وقت پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا (النساء:۱۰۳)

''نماز قائم کرو، بے شک نماز ایمان والوں پر ہمیشہ سے ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے''

نماز باجماعت کا ہر پہلو ڈسپلن کی منہ بولتی تصویر ہے۔سب لوگ ایک امام کی اقتدا میں ہوتے ہیں اور نماز کے تمام افعال اس کی اقتدا میں ادا کرتے ہیں، نہ اپنی مرضی سے نماز کی ابتدا کرتے ہیں اور نہ اختتام، بلکہ سب کچھ امام کی اقتدا میں ہوتا ہے۔ باجماعت نماز لوگوں کو نظم و ضبط کا پابند بناتی ہے۔ وقت کی پابندی اور امام کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، دل میں قانون کا احترام پروان چڑھتا ہے اور مساوات کا درس ملتا ہے۔

زکوۃ بھی اسلام کی اہم ترین عبادات میں سے ہے۔ اس کی ادائیگی سے معاشرے کے مفلوک الحال لوگوں کی مدد ہوتی ہے۔ساتھ ہی زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے دل میں مال کی محبت کے بجائے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔وہ ذاتی اغراض سے بالاتر ہو کر معاشرے کے اجتماعی مفاد کو مدِّ نظر رکھتے ہیں۔زکوٰۃ کے نصاب سے لے کر ادائیگی کا وقت اور مقدار سب کچھ مقرر ہے۔

روزے سے متعلق تمام پہلو بھی انسان کے لیے نظم و ضبط کی پابندی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔سال میں مخصوص اوقات میں روزے فرض ہوتے ہیں۔ صبح ایک مخصوص وقت سے لے کر شام غروبِ آفتاب تک انسان کھانے پینے اور دیگر ممنوعات سے اجتناب کرتا ہے۔ یہ بنیادی طور پر ضبطِ نفس کی مشق ہے کہ جب انسان اللہ کا حکم مان کر مخصوص وقت کے لیے حلال چیزوں سے اجتناب کرتا ہے تو اسی طرح وہ اپنی پوری زندگی میں اللہ کے احکام کا پابند ہوگا۔

حج اسلام کی اہم ترین عبادت ہے۔ اس میں نظم و ضبط کی تربیت کا پہلو دیگر عبادات سے زیادہ ہے۔سال کے مخصوص ایام میں پوری دنیا سے مختلف رنگ و نسل کے

لوگ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، ایک ہی لباس پہنتے ہیں اور ایک ہی صدا بلند کرتے ہیں۔ حج کے تمام اعمال نظم وضبط اور ڈسپلن کی اہم ترین مشق فراہم کرتے ہیں۔

غزوات میں نظم وضبط

نظم وضبط کی اہمیت اگرچہ زندگی کے تمام میدانوں میں ہے، مگر اس کی ضرورت جس قدر عسکری میدان میں ہوتی ہے اتنی شاید ہی کسی اور میدان میں ہو۔ اسلام نے عسکری حوالے سے اپنے ماننے والوں کو جو ہدایات دی ہیں ان میں اہم ترین ہدایت نظم وضبط کی پابندی ہے۔ نبی کریم ﷺ جب کوئی لشکر روانہ فرماتے تو اس کو مختلف نصیحتیں فرماتے، جن میں سرِ فہرست اطاعتِ امیر کی نصیحت ہوتی۔ اور سب جانتے ہیں کہ اطاعتِ امیر ہی سے نظم وضبط پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے محبت کرتا ہے ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو میدانِ جہاد میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے ہوتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ صَفًّا کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ

(الصّف:۴)

''بلاشبہ اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں، جیسے وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہوں۔''

حقوق وفرائض کی تعیین اور نظم وضبط

کسی بھی قوم میں ذمہ داری کا گہرا احساس اور فرائض کی ادائیگی کا شعور جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر اس میں نظم وضبط کی پابندی بھی ہوگی، لیکن جب لوگ ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرنے لگیں، ذاتی اغراض کو ترجیح دینے لگیں اور ان پر اجتماعی مفاد کو قربان کرنے لگیں تو معاشرہ زوال کا شکار ہوجاتا ہے۔

اسلام انسانوں کی اخلاقی تربیت اور معاشرے میں نظم وضبط کے قیام کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہے۔ وہ اپنے ماننے والوں کے دلوں میں دیانت داری اور روزِ قیامت جواب دہی کا گہرا احساس پیدا کرتا ہے۔ کوئی شخص اپنے حصے کا کام جس

قدر اچھے انداز اور ذمہ داری سے نبھائے گا وہ اللہ کی بارگاہ میں اتنا ہی سرخ رو اور قوم کی نگاہ میں اتنا ہی معزز ہوگا۔ ارشاد نبوی ہے:

أَلا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِه

''سنو! سب لوگ ذمہ دار ہو اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کی بابت سوال ہوگا۔''

پھر آپؐ نے اس ذمہ داری کی مزید وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:

''حکم راں عامۃ الناس کا نگہبان ہے اور اس سے اس کی ذمہ داری کی بابت سوال ہوگا۔ ایک عام آدمی اپنے اہل و عیال کا نگہبان ہے اور وہ ان کے بارے میں جواب دہ ہے۔ عورت اپنے شوہر اور اولاد کی نگراں ہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ غلام اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اور اس کا جواب دہ ہوگا۔ سنو! ہر شخص ذمہ دار ہے اور وہ اپنی ذمہ داری کے بارے جواب دہ ہوگا۔''[۱]

اسلام کی یہ ہدایات معاشرے میں نظم و ضبط کو فروغ دینے میں انتہائی اہم ہیں۔ جب ہر انسان اپنی ذمہ داری مناسب طریقے سے ادا کرے گا تو معاشرے کا نظم و ضبط مثالی ہوگا۔

سمع و طاعت کی نبوی تلقین

اسلام اپنے متبعین کو اجتماعی طرزِ زندگی اپنانے کی تلقین کرتا ہے اور نظم و ضبط اور ڈسپلن کی پابندی کا اہتمام کرواتا ہے۔ قرآن کریم میں بھی بہت سے مقامات پر اجتماعی خطاب کا طرز اپنایا گیا ہے۔ اسلام باہم جڑ کر رہنے کا حکم دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ مسلمانوں کے معاشرے سے علیحدہ رہنے سے اجتناب کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَة[۲]

''جماعت کے ساتھ منسلک رہو اور الگ الگ گروہوں میں منقسم ہونے

سے بچو۔‘‘

معاشرتی نظم وضبط کی پابندی کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ حکم رانِ وقت کے احکام کی پابندی کی جائے۔ اسی سے معاشرہ میں نظم قائم ہوگا۔ قرآن مجید میں ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا (النساء:۵۹)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔‘‘

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (الانفال:۴۶)

’’اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں مت جھگڑو، ورنہ بزدل ہوجاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔‘‘

نبی کریم ﷺ کے فرامین میں بھی بہ کثرت ایسی ہدایات ملتی ہیں کہ اجتماعی نظم وضبط کی حفاظت کے لیے حکم راں کی ہر حال میں اطاعت کی جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ یُطِعِ الْأَمِیرَ فَقَدْ أَطَاعَنِی، وَمَنْ یَعْصِ الْأَمِیرَ فَقَدْ عَصَانِی [۳]

’’جس نے امیر کی فرماں برداری کی اس نے میری فرماں برداری کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔‘‘

ان تعلیمات کا خلاصہ اور مقصود یہ ہے کہ مسلمان معاشرتی زندگی میں نظم و ضبط کے پابند رہیں اور حکم راں کی نافرمانی سے گریز کریں۔

بدنظمی اور فتنہ وفساد سے بچنے کی تلقین

اسلام نے جہاں معاشرتی نظم اور حکم راں کی اطاعت کی تلقین کی ہے وہیں بدنظمی اور فتنہ وفساد سے بچنے کی بھی تاکید فرمائی ہے۔جس معاشرے سے نظم وضبط ختم ہوجائے وہاں فتنہ وفساد کی حکم رانی ہوجاتی ہے۔ان حالات میں اسلام اپنے متعین کو فتنہ وفساد سے دور رہنے اور اجتماعی نظم کی پابندی کرنے کا درس دیتا ہے۔قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مسلمانوں کوفساد اور بدنظمی سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور فتنہ وفساد کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ

(القصص:۷۷)

''اور زمین میں فساد مت پھیلاتے پھرو، بے شک اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔''

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف:۵۶)

''اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ۔''

نبی کریم ﷺ نے بھی مسلمانوں کو یہی ہدایت فرمائی کہ وہ اجتماعی نظم ونسق کی پابندی کریں اور بدنظمی اور فتنہ وفساد سے بچیں۔آپؐ کا ارشاد ہے:

مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ خَرَجَ مِنَ السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً [۴]

''جس کو حکم راں کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچے وہ اس پر صبر کرے۔کیوں کہ جو شخص حکم راں کی اطاعت سے بالشت بھر دور ہوا اور اس حال میں اس کی موت ہوگئی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔''

آپؐ کے اس ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان کو مرتے دم تک معاشرے کے اجتماعی نظم کا ساتھ دینا چاہیے،کیوں کہ بدنظمی ،حکم عدولی اور عدمِ اطاعت سے طوائف الملوکی اور انتشار پیدا ہوتا ہے،جس سے مملکت کم زور ہوجاتی ہے۔آپؐ نے امت کے

افراد کو نظم میں پروئے رہنے کا حکم دیا اور ان کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ اسلامی ریاست کے اقتدارِ اعلیٰ کے استحکام کے لیے امن وسکون سے رہیں اور ان کا رویہ اطاعت شعاری پر مبنی ہو۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

نظم وضبط اور ڈسپلن قائم کرنے کا ایک اہم طریقہ 'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' ہے، یعنی نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے روکا جائے۔ یہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج:۴۱)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔''

اسلام کی بنیاد ہی معروف پر ہے۔ اسلام معاشرے میں نیکیوں کے فروغ کی تلقین کرتا ہے۔ جب نیکی اور بھلائی کو فروغ ملے گا تو ریاست کے تمام باشندے اپنی زندگیوں کو اسی ماحول میں ڈھال لیں گے، لیکن اگر ایسا نہیں ہوگا اور معاشرے میں برائی راہ پائے گی تو یہ ناسور آہستہ آہستہ اتنا پھیل جائے گا کہ اسے کنٹرول کرنا مشکل ہو جائے گا اور معاشرے میں جرائم کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔ قرآن نے بار بار امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی تلقین کی ہے۔ اس کام کو اس نے ریاست کی ذمہ داری قرار دیا ہے اور بہ حیثیت امت اسے تمام مسلمانوں کے سپرد کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (آل عمران:۱۱۰)

''تم وہ بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔''

اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ، لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَلَتَأْخُذُنَّ عَلَى يَدِ الظَّالِمِ، وَلَيَأْطُرُنَّهُ عَلَى الْحَقِّ أَطْرًا، أَوْ لَيَضْرِبَنَّ اللّٰهُ قُلُوبَ بَعْضِكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۵؎

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تمہیں ضرور بالضرور نیکی کا حکم دینا ہوگا اور برائی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑنا ہوگا اور اسے حق پر جھکانا ہوگا، ورنہ اللہ تم میں سے بعض کے دل بعض کے خلاف کر دے گا۔''

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ (التوبۃ:۷۱)

''مومن مرد وعورت آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نمازوں کو پابندی سے بجالاتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ سے بھی پہلے ذکر فرمایا ہے۔ اس سے اس عظیم کام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

عدل کا قیام

اسلامی معاشرے میں نظم وضبط کے قیام کا ایک ذریعہ اسلامی ریاست میں عدل کا قیام ہے۔ قرآن کریم میں اسلامی ریاست کا ایک مقصد قیامِ عدل بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ صٓ میں حضرت داؤدؑ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب انہیں خلافت سے نوازا تو انہیں عدل قائم کرنے کا حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰدَاوٗدُ اِ ☐ نَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (صٓ :۲۶)

''اے داوٗدؑ! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، اس لیے تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہش کے پیچھے نہ چلو، ورنہ وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔''

اس آیتِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کے بنیادی مقاصد اور ذمہ داریوں میں یہ بات شامل ہے کہ وہ حق و انصاف کا بول بالا کرے، اس کے تمام عدالتی، انتظامی، معاشی اور معاشرتی فیصلے حق و انصاف پہ مبنی ہوں۔ اگر حق کے ساتھ فیصلہ نہیں ہوگا تو لامحالہ ظلم ہوگا اور ظلم کسی بھی ریاست اور معاشرے کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس ریاست کے حکم راں اور عدالتیں عدل و انصاف قائم نہیں رکھتیں ان کی ہلاکت و بربادی میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ جب نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت اسامہ بن زیدؓ سے ایک چوری کرنے والی عورت کے حق میں سفارش کروائی گئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الحَدَّ[۶]

''جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں، انہیں اسی چیز نے ہلاک کیا کہ جب ان میں سے کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی کم زور چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔''

اس حدیث نے عدل کا دامن چھوڑ دینے کے نقصانات کی پوری تاریخ بیان کر دی ہے کہ پہلی قوموں کی ہلاکت و بربادی کی ایک بنیادی وجہ عدل و انصاف کو چھوڑ دینا تھا۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جب تک عدالتیں عدل کرتی رہیں تب تک ریاست میں امن و سکون اور استحکام رہا،لیکن جب عدالتوں نے عدل کا دامن چھوڑ دیا تو مسلمان ہر طرف ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ لوگوں نے عدالتوں پر اعتماد کرنے کے بجائے قانون ہاتھ میں لینا شروع کر دیا، جس کا نتیجہ دہشت گردی، ظلم و ستم، معاشی اور معاشرتی انارکی اور انتشار کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مسائل سے نمٹنے کے لیے منصوبہ بندی

کسی بھی اہم معاملے کو احسن طریقے سے مکمل کرنے اوراس کی کام یابی کے لیے منصوبہ بندی کی بہت اہمیت ہے۔حکومتی معاملات میں منصوبہ بندی کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔معاشرے میں نظم وضبط اورڈسپلن کے قیام اورفروغ کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ریاست کے ممکنہ وسائل کا تخمینہ لگایا جائے اور مسائل سے نپٹنے کی تدبیر کی جائے۔اس سلسلے میں ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے بڑی رہ نمائی ملتی ہے کہ آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے بعد وہاں کے مسائل سے عہدہ برآ کے لیے بروقت منصوبہ بندی فرمائی۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد قائم ہونے والی ریاست کو بہت سے مسائل کا سامنا تھا، جسے آپؐ نے بہترین منصوبہ بندی سے حل فرمایا۔ مدنی معاشرے میں کیے جانے والے نبوی اقدامات سے ہمیں یہی رہ نمائی ملتی ہے کہ معاشرتی نظم وضبط کو قائم کرنے اور بدنظمی سے بچنے کا بہترین طریقہ منصوبہ بندی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کے ابتدائی دور میں ہی مسلمانوں کی تعداد معلوم کرنے کے لیے ان کی مردم شماری کروائی تھی، تاکہ وسائل کو سامنے رکھتے ہوئے ممکنہ مسائل کی پیش بندی کی جاسکے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اکْتُبُوا لِي مَنْ تَلَفَّظَ بِالإِسْلاَمِ مِنَ النَّاسِ۔

”جتنے لوگ بھی کلمہ اسلام پڑھتے ہیں ان کی مردم شماری کر کے میرے سامنے پیش کرو“

آگے حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے ایک ہزار پانچ سو مردوں کے نام قلم بند کیے۔ پھر ہم نے (اپنے دل میں) کہا: ”کیا ہم اب بھی (کافروں سے) ڈریں، حالاں کہ ہم پندرہ سو کی تعداد میں ہیں۔“ [۷]

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے مدینہ جاتے ہی نوزائیدہ مملکت کے عوام کی مردم شماری کرائی تھی، تاکہ ریاست کے دفاع کے لیے اقدامات کرنے کے ساتھ دیگر انتظامی مسائل سے بھی نپٹنا آسان ہو۔

اسی طرح نبی اکرم ﷺ جب غزوات کے لیے نکلتے، یا کسی مہم کے لیے کوئی

لشکر روانہ کرتے تو اس کا بھی باقاعدہ ریکارڈ مرتب کیا جاتا، یعنی لشکر کی روانگی سے قبل شرکاء کے ناموں کے اندراج کیا جاتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! فلاں جنگ میں میرا نام لکھا گیا ہے، جب کہ میری بیوی حج پر جانے کے لیے تیار ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''واپس جاؤ اور اپنی بیوی کے ہم راہ حج کرو۔'' ۸؎

دستور سازی اور قانون سازی

اسلامی ریاست میں عوام الناس کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کا ایک اہم طریقہ قانون سازی اور دستور سازی بھی ہے۔ جس معاشرے میں نظم و ضبط قائم کرنا مقصود ہو اس کے مزاج اور ماحول کو سامنے رکھ کر قانون سازی کی جائے اور اس قانون کو نافذ کیا جائے تو معاشرہ میں نظم و ضبط پیدا ہو جائے گا۔ اس سلسلے میں ہمیں تعلیماتِ نبوی سے بہترین رہ نمائی ملتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جب مدینہ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی تو آپؐ کو بہ طور سربراہِ ریاست نظم و ضبط کے حوالے سے متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ چند اہم مسائل یہ تھے:

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔
۲۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہود سے سمجھوتہ۔
۳۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام۔
۴۔ مدینہ کے امن و امان کا تحفّظ۔

ان مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپؐ نے مدینہ پہنچنے کے چند ماہ بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی، جسے 'میثاقِ مدینہ' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے 'میثاقِ مدینہ' کو شہری مملکت کا پہلا انتظامی دستور قرار دیا ہے۔ اس منشور میں رعایا اور عوام کے تمام حقوق و فرائض کا تعین کیا گیا تھا اور ساتھ ہی کمالِ تدبر سے اس وقت کی مدنی سیاست و معاشرت کی فوری ضروریات (مثلاً مسلمانوں اور دیگر

شہریوں کے درمیان تعلقات کا مسئلہ، قریش کی ناکہ بندی اور اور مدینہ کا دفاع وغیرہ) کا تسلّی بخش انتظام کیا گیا تھا۔[۹]

اس دستور کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: پہلا حصہ مدینہ کے مسلمان شہریوں کے حقوق و فرائض اور ان کے اجتماعی نظم سے بحث کرتا ہے، جب کہ دوسرا حصہ یہود کے حوالے سے ہے۔ یہ پورا دستور اگرچہ نظم وضبط کے قیام سے متعلق ہے، تاہم اس کی چند شقیں بالخصوص قانونی ومعاشرتی نظم وضبط سے متعلق ہیں۔ وہ درج ذیل ہیں:

(۱) مہاجرین، جو قریش میں سے ہیں، علیٰ حالہ دیتوں اور خون بہا وغیرہ کے معاملات میں اپنے قبیلہ کے طے شدہ رواج پر عمل کریں گے، اپنے قیدیوں کو مناسب فدیہ دے کر چھڑائیں گے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کریں گے۔

(۲) یہ کہ تمام تقویٰ شعار مومنین متحد ہو کر ہر اس شخص کی مخالفت کریں گے جو سرکشی اختیار کرے، ظلم، گناہ اور تعدّی کے ہتھکنڈوں سے کام لے اور ایمان والوں کے درمیان فساد پھیلائے۔ ایسے شخص کی مخالفت میں ایمان والوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے، اگرچہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) کوئی مومن، کسی دوسرے مومن کو، کافر کے عوض قتل نہیں کرے گا اور نہ مومن کے خلاف وہ کسی کافر کی مدد کرے گا۔

(۴) اللہ کا ذمہ (اور پناہ سب کے لیے یکساں اور) ایک ہے۔ ادنیٰ ترین مسلمان بھی کافر کو پناہ دے سکتا ہے۔ اہل ایمان دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں باہم بھائی بھائی اور مددگار وکارساز ہیں۔

(۵) یہود میں سے جو بھی ہمارا اتباع کرے گا اسے مدد اور مساوات حاصل ہوگی۔ ان (یہود) پر نہ تو ظلم کیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف کسی (دشمن) کی مدد کی جائے گی۔

(۶) جو شخص ناحق کسی مومن کا خون کرے گا اسے مقتول کے عوض (بہ طور

قصاص)قتل کیا جائے گا، الّا یہ کہ اس مقتول کا ولی اس کے عوض خون بہا لینے پر رضا مند ہو جائے اور تمام اہلِ ایمان قاتل کے خلاف رہیں گے۔

(۷) جب مسلمانوں میں کسی قسم کا تنازعہ ہو گا تو اسے اللہ اور (اس کے رسول) محمد ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

(۸) یہ کہ جب تک جنگ رہے، یہود اس وقت تک اہلِ ایمان کے ساتھ مل کر مصارف اٹھائیں گے۔

(۹) اور یہ کہ ان قبائل میں سے کوئی فرد حضرت محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر نہیں نکلے گا۔ (اصل عبارت سے نکلنے کا مقصد واضح نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے اس سے فوجی کارروائی مراد لی ہے)۔

(۱۰) اس صحیفہ والوں کے لیے حدودِ یثرب (مدینہ) کا داخلی علاقہ (جوف) حرم کی حیثیت رکھے گا۔

(۱۱) یہ نوشتہ (جرم کے عواقب سے بچانے کے لیے) کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہ آئے گا۔ جو جنگ کے لیے نکلے (کسی اور جگہ نقل مکانی کرے) وہ بھی اور جو گھر (مدینہ) میں بیٹھا رہے (سکونت رکھے) وہ بھی امن کا حق دار ہو گا (اس پر کوئی مواخذہ نہیں)، البتہ اس سے صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جرم کے مرتکب ہوں۔ [۱۰]

ان شقوں کا بہ غور مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک معاشرتی امن اور نظم وضبط کی کس قدر اہمیت تھی۔ اس منشور کا بڑا حصہ ریاست کے نظم و ضبط سے متعلق تھا۔ عصر حاضر کی اسلامی ریاستوں کو اس سلسلے میں اس سے رہ نمائی حاصل کرنی چاہیے۔

قوانین کا یکساں نفاذ

اسلامی ریاست میں نظم و ضبط کے قیام کے لیے قوانین کا یکساں نفاذ بھی

بہت ضروری ہے۔ جب معاشرے میں طبقاتی تقسیم بڑھ جائے اور کچھ افراد یا ایک طبقہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگے تو اس سے بدنظمی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے ڈسپلن کی پابندی کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کے تمام طبقات پر قوانین کا نفاذ یکساں کیا جائے۔ نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہمیں یہی درس ملتا ہے کہ قانون کوئی بھی توڑے اسے سزا ضرور ملنی چاہیے۔ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

قبیلۂ مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی تو قریش اس کے معاملے میں بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کون گفتگو کرے؟ طے پایا کہ صرف حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ، جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں، آپ سے اس کے متعلق بات کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں، چنانچہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق آپ سے سفارش کی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اے اسامہ!) ''کیا تم اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے متعلق سفارش کرتے ہو؟'' پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں کو اس امر نے تباہ کیا کہ جب ان میں سے کوئی دولت منداور معزّز آدمی چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کم زور اور غریب آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر (میری لختِ جگر) فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔''[۱۱]

حدود وتعزیرات کا نفاذ

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے قیام اور بدامنی کے انسداد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ معاشرے میں حدود وتعزیرات کے نفاذ کو یقینی بنایا جائے۔ حدود وتعزیرات بالعموم اور حدِّ حرابہ بالخصوص معاشرتی نظم وضبط اور ریاستی استحکام کا ذریعہ ہیں۔ حدود و تعزیرات کا نفاذ معاشرے میں امن اور نظم وضبط کے قیام کا ضامن ہے۔ اگر معاشرے میں سزاؤں کا مؤثر نظام نافذ نہ ہو تو مجرمانہ ذہنیت کے لوگوں کی دیدہ دلیری بڑھ جاتی ہے اور وہ معاشرتی امن کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں۔ حدود وتعزیرات ایسے ہی لوگوں کی

اصلاح کے لیے ہوتی ہیں۔ جو لوگ ریاست کے امن میں خلل ڈالتے ہیں اور فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں ان کی سرکوبی کے لیے اسلام نے 'حرابہ' کی حد مقرر فرمائی ہے۔ حرابہ ان بڑے بڑے جرائم میں سے ایک ہے جو زمین میں فتنہ وفساد کا باعث ہیں۔ اس کی وجہ سے ریاست عدم استحکام سے دو چار ہو جاتی ہے، لوگوں کا امن وسکون برباد ہو جاتا ہے، ان کی جان اور مال محفوظ نہیں رہتے، ریاست معاشی بدحالی اور معاشرتی بدامنی سے دو چار ہو کر انحطاط کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لیے ایسے شر پسند عناصر کے لیے سخت ترین سزا سنائی گئی ہے اور ان کے جرم کو نہ صرف ریاست، بلکہ خود اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی تعالیٰ ہے:

> اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیۡنَ یُحَارِبُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ یَسۡعَوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَسَادًا اَنۡ یُّقَتَّلُوۡۤا اَوۡ یُصَلَّبُوۡۤا اَوۡ تُقَطَّعَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ اَرۡجُلُہُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ اَوۡ یُنۡفَوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ ذٰلِکَ لَہُمۡ خِزۡیٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَہُمۡ فِی الۡاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (المائدۃ: ۳۳)
>
> ''جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں اس لیے تگ ودو کرتے پھرتے ہیں کہ فساد برپا کریں، ان کی سزا یہ ہے کہ قتل کیے جائیں، یا سولی پر چڑھائے جائیں، یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں، یا وہ جلا وطن کر دیئے جائیں۔ یہ ذلت ورسوائی تو ان کے لیے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بڑی سزا ہے۔''

محاربین کے لیے اسلام نے قتل، پھانسی، ہاتھ پاؤں کاٹ پھینکنے یا جلا وطنی کی سزا مقرر کی ہے، تاکہ ریاست کو ایسے تمام شر پسند عناصر سے کلّی طور پر پاک صاف کر دیا جائے جو اسلام کے صالح نظام کے خلاف کسی سازش کا حصہ بنتے ہیں اور اسلامی ریاست کے نظام کو تہہ وبالا کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔ اگر ان کو ریاست کے استحکام کا خیال نہیں تو ریاست کی بھی ذمہ داری ہے کہ اپنی بقا اور تحفظ کے لیے، ریاستی اداروں کے استحکام کے لیے، شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کے

لیے اور معاشرے میں نظم و ضبط قائم کرنے کے لیے ایسے افراد کو کیفر کردار تک پہنچائے ، کیوں کہ انہوں نے پوری ریاست کے نظام کو تلپٹ کرنے کی کوشش کی ہے، جو بہت بڑا جرم ہے۔

اختیارات اور ذمہ داریوں کی نچلی سطح پر منتقلی

اسلامی ریاست میں نظم و ضبط اور ڈسپلن پیدا کرنے کا ایک اہم طریقہ کار اختیارات اور ذمہ داریوں کی نچلی سطح تک منتقلی بھی ہے۔ کیوں کہ اگر ایک ہی فرد کے پاس بہت سے اختیارات اور ذمہ داریاں ہوں گی تو لوگوں کے مسائل حل ہونے میں تاخیر ہوگی۔ اس سلسلے میں ہمیں نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے رہ نمائی ملتی ہے۔ آپؐ محاصرۂ طائف کے بعد جعرانہ مقام پر مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آ گیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے قیدی اور جانور واپس کر دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قیدیوں یا مال ومنال میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے قیدیوں کا انتخاب کیا۔ آپؐ نے اس معاملہ میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ آپؐ نے فرمایا: ''جو اپنا حصہ ہبہ کرنا چاہے تو یہ بہت اچھی بات ہے، لیکن جو اپنا حصہ برقرار رکھنا چاہے ، وہ فی الحال اسے واپس کر دے ، ہم آئندہ ملنے والی اولین غنیمت سے اس کا حصہ ادا کر دیں گے۔'' لوگ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! ہم ان کے لیے اپنے حصہ ہبہ کرتے ہیں۔'' آپؐ نے فرمایا:

> إِنَّا لاَ نَدْرِی مَنْ أَذِنَ مِنْکُمْ فِی ذَلِکَ مِمَّنْ لَمْ یَأْذَنْ، فَارْجِعُوا حَتَّی یَرْفَعَ إِلَیْنَا عُرَفَاؤُکُمْ أَمْرَکُمْ ۱۲؎
>
> ''اس طرح ہمیں کچھ معلوم نہیں ہو پا رہا ہے کہ کس نے قیدیوں کو جانے کی اجازت دی اور کس نے نہیں دی؟ چنانچہ واپس جاؤ اور تمہارے سردار تمہارا معاملہ ہم تک پہنچائیں۔''

لوگ چلے گئے۔ ان کے سرداروں نے ان سے بات کی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ واقعی سب لوگوں نے بہ خوشی اجازت

دے دی ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی گروہ سے اس کی رائے معلوم کرنی ہو، اگر اس کے سارے لوگ ایک ہی دفعہ بولنے لگ جائیں تو بدنظمی پیدا ہوگی اور ہر ایک کی رائے معلوم نہ ہو سکے گی۔ اس کے لیے مناسب ہے کہ تھوڑی تھوڑی تعداد پر ایک ذمہ دار مقرر کیا جائے۔

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو ریاست قائم فرمائی اس کی ابتدا بیعتِ عقبہ سے ہوگئی تھی۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ کے بعد آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو ذمہ دار بنا کر مدینہ منورہ روانہ فرما دیا تھا۔ ان کے ذمہ تبلیغ کے ساتھ اجتماعی نظم کا قیام بھی تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس ضمن میں ایک روایت نقل کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو باقاعدہ تحریری حکم نامہ بھیجا تھا کہ مدینہ میں جمعہ قائم کیا جائے۔ [۱۳]

پھر جب بیعتِ عقبہ ثانیہ ہوئی تو آپؐ نے باقاعدہ طور پر بارہ سردار مقرر کروائے۔ سیرت ابن اسحاق میں ہے کہ جب بیعت مکمل ہوگئی تو آپؐ نے فرمایا: ''اپنے میں سے بارہ نمائندے منتخب کرو، جو اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں۔'' چنانچہ انصار نے بارہ نمائندے منتخب کیے، جن میں سے نو خزرج کے تھے اور تین اوس کے۔ [۱۴]

شعبہ جاتی تقسیم

اسلامی ریاست میں نظم وضبط کے قیام کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ذمہ داریوں اور اختیارات کو مختلف شعبہ جات میں تقسیم کیا جائے۔ اس طرح مسائل کی تکنیکی نوعیت کو سمجھنا اور انہیں حل کرنا آسان ہو جائے گا۔ عصر حاضر میں اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ مسائل کی نوعیت بہت زیادہ تکنیکی ہوگئی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں عہد نبوی کی مدنی ریاست سے بہترین رہ نمائی ملتی ہے۔ اس میں بہت سے شعبہ جات تھے، جن کے

باقاعدہ ذمہ دار مقرر تھے، جو اپنے متعلقہ امور سرانجام دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں عبدالحی الکتانی نے اپنی کتاب 'التراتیب الاداریۃ' میں بہت اہم معلومات فراہم کی ہیں ۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عہدنبوی کی ریاستِ مدینہ میں جو اہم ترین شعبہ جات تھے ان میں سرفہرست صیغۂ خاص، صیغۂ توقیعات و فرامین، صیغۂ احتساب، صیغہ جات برائے امور داخلہ، صیغۂ تعلقاتِ خارجہ، صیغۂ مالیات، صیغہ ہائے عسکری، صیغۂ عدالت، صیغہ ہائے تعلیم وتربیت، خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے بھی قابل ذکر معلومات فراہم کی ہیں۔ [۱۵]

میرٹ کا فروغ

اسلامی ریاست میں مناصب، ذمہ داریوں اور اختیارات کی تقسیم میں میرٹ کی بالادستی بہت اہمیت کی حامل ہے۔ اگر تقسیمِ مناصب میں میرٹ کو نظرانداز کردیا جائے تو اس سے معاشرہ بدنظمی کا شکار ہوجاتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے جن صحابہ کو مختلف مناصب عطاکیے ان کی صلاحیتوں کا تجزیہ کیا جائے تو بہت سے حقائق سامنے آتے ہیں۔ آپؐ جب کسی صحابی کو کسی محکمہ سے متعلق ذمہ داری تفویض کرتے تو عموماً اس صحابی میں وہ صلاحیت و قابلیت بہ درجۂ اتم موجود ہوتی تھی۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اس ضمن میں بہت عمدہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے انتظامی افسران کے تقرّر کے حوالے سے دو بنیادی نکات ذکر کیے ہیں، جو آپؐ کے پیش نظر ہوتے تھے۔ پہلی شرط اسلام پر پختہ عقیدہ، جب کہ دوسرے درجہ میں انتظامی لیاقت، سیاسی تدبر، دنیاوی سوجھ بوجھ، معاملہ فہمی اور حالات ومواقع کی اہمیت وغیرہ ۔ نبی اکرم ﷺ اس حد تک میرٹ کو پیش نظر رکھتے تھے کہ آپؐ نے اس کی خلاف ورزی کو قیامت کی نشانی قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

إِذَاوُسِدَالأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ [۱٦]

"جب ذمہ داریاں نااہل لوگوں کے سپرد کی جائیں تو قیامت کا انتظار کرو۔"

مناصب اور ذمہ داریاں نااہل لوگوں کے سپرد ہونے سے اہل اور قابل افراد کا استحصال ہوتا ہے، جس سے معاشرے میں بدنظمی بڑھتی ہے۔ اہل افراد مناسب طریقے سے معاشرتی ترقی میں حصہ دار نہیں بن پاتے اور نا اہل افراد کے پاس مطلوبہ صلاحیت نہیں ہوتی، جس سے معاملہ مزید بگڑ جاتا ہے، لہٰذا ریاست کے استحکام کے لیے ازبس ضروری ہے کہ میرٹ کو فروغ دیا جائے اور نا اہل افراد میں مناصب کی تقسیم کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

نظامِ احتساب

اسلامی ریاست کے استحکام کا ایک ذریعہ احتساب کے مضبوط نظام کا قیام بھی ہے۔ نظامِ احتساب جس قدر مضبوط ہوگا معاشرتی نظم و ضبط بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے مدنی معاشرے میں احتساب کا بے مثال نظام وضع فرمایا تھا۔ آپؐ نے نظمِ مملکت کے سلسلہ میں جو شعبہ جات قائم کیے تھے، ان میں ایک اہم ترین شعبہ 'حسبہ' بھی تھا۔ اس کے تحت لوگوں کے عام اخلاق کی نگرانی و اصلاح، عمال کی نگرانی اور ان کا محاسبہ، نیز تجارتی بدعنوانیوں کا انسداد شامل ہے۔ اس صیغہ کی نگرانی براہ راست خود رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

معاملات اور اخلاقِ عامہ میں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی متعدد فرو گزاشتوں پر مواخذہ فرمایا۔ تجارت اور لین دین کے متعلق آپؐ نے بہت سی اصلاحات جاری فرمائیں، جن پر سختی سے عمل درآمد ہوا۔ آپؐ نے بازار میں باقاعدہ افسران مقرر کیے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ ﷺ بہ غرضِ معائنہ بازار تشریف لے گئے۔ ایک جگہ گندم کا ڈھیر نظر آیا۔ آپ نے دستِ مبارک اس کے اندر ڈالا تو کچھ نمی محسوس ہوئی۔ آپؐ نے دوکان دار سے جواب طلبی کی۔ اس نے یہ عذر پیش کیا کہ رات میں بارش سے غلہ بھیگ گیا تھا۔ آپؐ نے تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ اسے اوپر کیوں نہیں کرلیا؟ اس کے بعد فرمایا: ''جو شخص اس

طرح کی ہیرا پھیری یا دھوکہ بازی کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔''[۱۷]

ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو کسی شخص کو ایک چیز تولتے ہوئے دیکھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

زِنْ وَأَرْجِحْ[۱۸]

''اچھی طرح اور جھکتا ہوا تولو۔''

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات صحابہ کرام کو بھی بہ غرض احتساب بازار کی طرف بھیجا کرتے تھے۔[۱۹] عبدالحی الکتانی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ بعض اوقات عورتیں بھی بازاروں میں کوڑا لے کر گھومتی ہیں اور لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی تھیں۔ اس ضمن میں انہوں نے سمرا بنت نہیک الاسدیہ کا نام ذکر کیا ہے۔[۲۰]

عہدِ رسالت میں عوام کے احتساب کے ساتھ گورنروں کے احتساب کی بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس طرف بہ طور خاص توجہ مبذول فرمائی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عمال زکوۃ اور صدقہ وصول کر کے لاتے تو رسول کریم ﷺ بہ نفس نفیس جائزہ لیتے کہ اس کام میں کوئی غلط طریقہ تو اختیار نہیں کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب صدقہ وصول کر کے لائے اور کہا کہ مال کا یہ حصہ تو بیت المال کا ہے اور اس میں سے اتنا مجھے ملا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ''گھر بیٹھے تمھیں یہ ہدیہ کیوں نہیں ملا؟'' اس کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ دیا، جس میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔[۲۱]

حواشی و مراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب فی الاستقراض، باب العبد راع فی مال سیدہ ۲۴۰۹: مسلم: ۱۸۲۹

۲۔ مسند احمد: حدیث نمبر ۲۳۱۴۵

۳۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء: ۱۸۳۵

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی: سترون۔۔۔: ۷۰۵۳

۵۔ المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۱۰۲۶۷

۶۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب احادیث الغار: ۳۴۷۵

۷۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامامۃ الناس: ۳۰۶۰

۸۔ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامامۃ الناس:: ۳۰۶۱

۹۔ عہد نبوی میں نظام حکم رانی، ڈاکٹر حمید اللہ، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص ۸۴

۱۰۔ کتاب الاموال، ابو عبید، المکتبۃ التجاریۃ، مصر۔ السیرۃ النبویۃ، ابن ہشام، ۲/ ۱۴۸

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار: ۳۴۷۵۔

۱۲۔ صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی ان الخمس لنوائب المسلمین۔

۱۳۔ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، مکتبۃ العبیکان، بیروت: ۱۵/۷۵

۱۴۔ السیرۃ النبویہ، ابن ہشام، ۱/ ۲۸۵

۱۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکم رانی، ص ۹۹، ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبوی کا نظامِ حکومت، ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ، ص ۹۴، عبدالحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، دار الارقم، بیروت، ۲/ ۲۲۳

۱۶۔ صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من سیل علماً: ۵۹

۱۷۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب قول النبی ۔۔: ۱۰۲

۱۸۔ سنن نسائی، کتاب البیوع، باب الرجحان فی الوزن: ۴۵۹۲

۱۹۔ عبدالحی الکتانی، التراتیب الاداریۃ، ۱/ ۳۱۳

۲۰۔ التراتیب الاداریۃ، ۱/ ۲۸۵

۲۱۔ صحیح بخاری، کتاب الھبۃ وفضلھا، باب من لم یقبل الھدیۃ: ۲۵۹۷

سیر و سوانح

امام طبریؒ اور ان کی تفسیر جامع البیان

ایک مطالعہ

ڈاکٹر احسان اللہ فہد

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ (۲۲۴ـ۳۱۰ھ) صوبۂ طبرستان کے پایۂ تخت آمل میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی سے پڑھنے لکھنے کا شوق تھا۔ سات سال کی عمر میں ہی آپ نے حفظِ قرآن مکمل کر لیا تھا۔ آٹھ سال کی عمر سے نماز کی امامت شروع کر دی تھی اور نو سال کی عمر سے حدیث کی کتابت بھی کرنے لگے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن آمل ہی میں حاصل کی۔ جب اپنے شہر کے علماء سے سیراب ہو گئے تو اسلامی دنیا کے علمی مراکز کا رخ کیا۔ علاقہ رے اور گردونواح کی سیر و سیاحت کے بعد بغداد پہنچے، جہاں آپ امام احمد بن حنبلؒ سے کسبِ فیض کرنا چاہتے تھے، لیکن یہاں آئے ہوئے ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ امام صاحب کا انتقال ہو گیا۔ آپ وہاں سے کوفہ اور بصرہ تشریف لے گئے، لیکن چند ہی روز قیام کے بعد بغداد واپس آ گئے اور یہاں کے علماء و محدثین سے اکتسابِ فیض کیا۔ اس کے بعد مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔ اس دوران میں ملک شام کے متعدد شہروں میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے کچھ مدت تک قیام کیا، پھر مصر پہنچ گئے۔ اس دوران میں آپ نے محمد بن احمد بن حماد الدولابی، ابن حمدی الرازی، ابو مقاتل، ہناد بن السری، ہناد بن موسیٰ اور ابو کریب محمد بن العلاء الہمدانی جیسے محدثین اور علماء سے استفادہ کیا۔

علامہ ابن جریر طبریؒ نے اپنے بچپن کا واقعہ اپنے شاگردِ رشید ابن کامل سے بیان کیا ہے کہ ایک رات میرے والد محترم نے خواب میں دیکھا کہ میں رسول اللہ

ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور میرے پاس سنگ ریزوں سے بھرا ہوا تھیلا ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پھینک رہا ہوں۔ انھوں نے تعبیر بتانے والے سے دریافت کیا تو جواب ملا کہ آپ کا بیٹا بڑا ہو کر دین کا سچا پیروکار ہوگا اور شریعتِ اسلامیہ کی خدمت کرے گا۔ چنانچہ میرے والد نے میری تعلیم و تربیت پر بھر پور توجہ دی۔ حالاں کہ میں اس وقت بالکل چھوٹا تھا۔[۱]

باپ نے اپنا خواب بیٹے کے سامنے بیان کیا اور اس کی تعبیر سے بھی آگاہ کیا۔ یہ بشارت امام طبریؒ کے لیے حصولِ علم کی راہ میں مہمیز کا کام کرتی رہی اور انھیں علم و عرفان کے چشمے سے مسلسل سیراب ہونے پر ابھارتی رہی، اس کے بعد تدریس و تالیف میں بھی مددگار ثابت ہوئی۔

امام طبریؒ عالمانہ مزاج اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ ابتداء عمر ہی سے آپ نے عرب اور اسلام کی روایات کے سلسلے میں مواد جمع کرنے کی کوشش کی اور عمر کا باقی حصہ تعلیم و تعلّم اور تصنیف و تالیف میں گزارا۔ آپ کی مالی حیثیت معمولی تھی، پھر بھی آپ نے مالی مفاد کو ہمیشہ نظر انداز کیا اور جلیل القدر اور منفعت بخش مناصب قبول کرنے سے برابر انکار کرتے رہے۔ اس طرح آپ کو ہمہ گیر اور سیر حاصل علمی خدمت کا موقع مل گیا، جس میں ہمہ تن مشغول رہے۔ اپنے خاص مضامین: علم تاریخ، علم فقہ، علم قراءت اور علم تفسیر کے علاوہ آپ نے علم عروض، علم اللّغۃ، صرف ونحو، علم الاخلاق، حتّٰی کہ ریاضی اور علم طب کی طرف بھی خصوصی توجہ مبذول کی۔

مصر سے واپس آنے کے بعد امام طبریؒ دس سال تک مسلکِ شافعی سے وابستہ رہے، پھر اپنا ایک الگ دبستان قائم کیا، جس کے پیروکار خود کو آپ کے والد کی نسبت سے 'جریریہ' کہتے تھے۔ چوں کہ آپ کو شافعی مسلک سے اتنا اختلاف اعتقادات میں نہ تھا جتنا عمل میں تھا، اس لیے یہ تحریک نسبتاً جلد فراموش ہوگئی۔ آپ امام احمد بن حنبلؒ کو حدیث کا امام تو مانتے تھے، لیکن فقہ کے متعلق ان کے خیالات کے چنداں قائل نہ تھے۔ اس وجہ سے حنبلیوں کی ناراضی کا نشانہ بن گئے۔ ان سے آپ کی ناراضی کی خاص وجہ

سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۸ سے تفسیر سے متعلق تھی۔ یہ دشمنی اس قدر بڑھی کہ آپ کو اپنی حفاظت اور مشتعل ہجوم کے غصے سے بچنے کے لیے اپنے مکان میں نظر بند ہونا پڑا۔ جب تک محکمۂ پولیس نے آپ کی جان کی حفاظت کے لیے سخت کارروائی نہ کی آپ کو سکون میسّر نہ آسکا اور گھر ہی میں قید ہو کر رہنا پڑا۔ آپ کے دشمنوں نے آپ پر ملحدانہ رجحانات رکھنے کاالزام لگا کرقانونی ذرائع سے بھی نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ ۲؎

امام طبریؒ کی تمام تصانیف ہم تک نہیں پہنچیں۔آپ کی وہ تحریریں ہمیشہ کے لیے گم ہو چکی ہیں جن میں آپ نے اپنے جدید دبستان کے بنیادی اصول بیان کیے تھے۔ البتہ آپ کی مشہورِ زمانہ تفسیر 'جامع البیان فی تفسیر آی القرآن' محفوظ رہ گئی ہے۔ اس میں آپ نے تفسیر سے متعلق تمام قدیم مواد جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ بعد کے مفسرین اس سے برابر استفادہ کرتے رہے ہیں اور مغربی علماء اور مستشرقین کے لیے بھی یہ تفسیر تاریخی اور تنقیدی معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ جو احادیث امام طبریؒ نے خود جمع کی ہیں، ان کی تشریح زیادہ ترلسانیاتی (لغات اورصرف ونحو) کے پہلو سے کی گئی ہے۔آپ نے ان شرائع وعقائد پر بھی بحث کی ہےجن کا استنباط قرآن کریم سے ہوتا ہے اور بعض جگہ تاریخی تنقید پرانحصار کیےبغیر اپنی آزادانہ رائے کااظہار کیاہے۔ ۳؎

جامع البیان فی تفسیر آی القرآن کا شمار مشہورترین کتبِ تفسیر میں ہوتا ہے۔ مفسرین کے نزدیک تفسیرِ مأثور میں اس کو اوّلین مصدر وماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ عقلی تفاسیر میں بھی اس کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ تفسیر تیس (۳۰) ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ تفسیر نادر الوجود تھی، لیکن جب امرائے نجد میں امیر حمود بن عبدالرشید کی ملکیت میں اس کا کامل مخطوطہ دست یاب ہو گیا تو اس کو زیورِ طبع سے آراستہ کر دیا گیا۔ اس طرح تفسیر بالمأثور کی اس انسائیکلوپیڈیا سے بہرہ یاب ہونا آسان ہوگا۔ ۴؎

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر کو تیس ہزار صفحات میں لکھا تھا، پھر اسے مختصر کر کے تین ہزار صفحات میں کر دیا۔ ابن سبکی اپنی تصنیف 'الطبقات الکبریٰ' میں لکھتے ہیں :

''ابن جریر طبریؒ نے اپنے تلامذہ سے دریافت کیا کہ کیا تمھیں تفسیرِ قرآن سے دل چسپی ہے؟ انھوں نے پوچھا کہ اس کی ضخامت کس قدر ہے؟ کہا کہ تیس ہزار صفحات۔ تلامذہ کہنے لگے: ایسی تفسیر کو پڑھتے پڑھتے عمر ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ نے اس کو تین ہزار صفحات میں مختصر کر دیا''۔ ۵؎

تفسیرِ طبری کو دیگر کتبِ تفسیر کے مقابلے میں دو قسم کا شرفِ تقدّم حاصل ہے: زمانی اعتبار سے بھی اور فنّی اعتبار سے بھی۔ سبقتِ زمانی تو یوں کہ یہ اولین تفسیر ہے جو ہم تک پہنچی ہے۔ اس سے قبل تفسیر کے سلسلے میں جو کوششیں کی گئی تھیں وہ گردشِ ایام کے ساتھ رخصت ہو گئیں اور ان میں سے کچھ بھی باقی نہیں بچا، سوائے ان اقوال کے جن کو طبریؒ نے اپنی کتاب میں سمو لیا ہے۔ جہاں تک اس تفسیر کی فنّی برتری کا تعلق ہے تو اس کا دارومدار اس اسلوبِ نگارش پر ہے جو طبریؒ نے اختیار کیا ہے۔

تفسیرِ طبری کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

تفسیر بالماثور کا اہتمام

امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں احادیثِ نبوی، اقوالِ صحابہ و تابعین کو بنیادی تفسیری مآخذ قرار دیا ہے اور انھی روایات سے استناد کیا ہے جو درایت و روایت کے لحاظ سے قابل قبول ہیں۔ آپ اپنی تفسیر میں ان روایات سے مستنبط عمومی فکر کی تلخیص پیش کرتے ہیں، پھر ان روایات کا تذکرہ کرتے ہیں جو تفصیلات میں مختلف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت: **لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْم** (البقرۃ: ۲۵۵) ''وہ نہ سوتا ہے اور نہ اسے نیند آتی ہے۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طبریؒ لکھتے ہیں:

> ''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو اونگھ نہیں آتی اور نہ اسے نیند آتی ہے۔ یعنی کم و بیش کسی قسم کی نیند اس پر طاری نہیں ہوتی۔ اربابِ تاویل نے بھی یہی مفہوم مراد لیا ہے۔ مجھ سے بیان کیا المثنیٰ نے، وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا عبد اللہ بن صالح نے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے بتایا معاویہ بن صالح نے بہ واسطہ ابو طلحہ بہ واسطہ ابن عباسؓ کہ آیت **لاَ تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلاَ نَوْم** میں

سِنَۃٌ سے مراد نیند کی جھپکی ہے اور نوم سے مراد نیند ہے''۔ پھر اسی مفہوم کی احادیث کو مختلف طرق سے روایت کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ احادیثِ نبوی میں اس کا صحیح مفہوم یہی ہے۔٦؎

اسناد میں احتیاط

امام طبریؒ اپنی تفسیر میں اسناد کے تذکرہ اور رواۃ کے بیان میں کافی محتاط واقع ہوئے ہیں۔ جب آپ کے ساتھ کچھ اور لوگ حدیث سنتے تھے تو حدیث روایت کرتے وقت 'حدّثنا' کہتے تھے اور جب تنہا سنتے تھے تو 'حدّثنی' کہتے تھے۔ جب سلسلۂ روایت میں کسی کا نام بھول جاتے تھے تو اس کی صراحت فرما دیتے تھے۔ مثال کے طور پر آپ نے ایک سلسلۂ روایت کو یوں بیان کیا ہے: ''**حدّثنا أبو کریب قال حدّثنی یحییٰ بن آدم قال حدّثنا اسرائیل عن أبی اسحاق عن فلان العبدی** (یہاں امام طبریؒ نے صراحت کی ہے کہ ان کا نام میرے ذہن سے محو ہو گیا۔) **عن سلیمان بن صرد عن ابی کعب قال**۔۔ ۷؎

اسی طرح جب کسی راوی کے سلسلے میں کوئی خاص وضاحت کرنی مقصود ہوتی تو اس کو بھی بیان فرماتے تھے۔ مثال کے طور: ''**حدّثنی مسلمۃ بن محمد بن اسحاق عن أبی عتاب، رجل من تغلب کان نصرانیاً عمراً من دھرہ، ثم أسلم بعد، فقرأ القرآن و فقه فی الدین، و کان فیما ذکر أنّه کان نصرانیاً أربعین سنة، ثم عمر في الاسلام أربعین سنة**۔۔۔ ۸؎

علم لغت سے استفادہ

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں لغت سے بھی جا بجا استفادہ کیا ہے۔ لغت اور اسالیبِ کلام پر آپ کو پوری قدرت حاصل تھی اور آپ ایک لفظ کے مختلف احتمالی مفہوموں میں کسی ایک کو ترجیح دینے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت: **تَرۡمِیۡهِمۡ بِحِجَارَةٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ** (الفیل: ۴) ''وہ ان کے اوپر پکی ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے۔'' کی تشریح میں امام موصوف لکھتے ہیں:

"سِجّیل کے معانی کے سلسلے میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ سِجّیل سے مراد کنکر یلی مٹی یا صرف مٹی ہے، یا یہ فارسی لفظ ہے، جس کے معنیٰ مٹی اور پتھر دونوں کے ہیں اور اس کی اصل 'سنگ' اور 'گل' ہے۔۔۔بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ سِجّیل سے مراد قریبی آسمان ہے، جب کہ اس قول کی صحت نہ تو اخبار و روایات سے معلوم ہوتی ہے، نہ عقل اس کی تصدیق کرتی ہے اور نہ علم لغت اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اشیاء کے نام یا تو مروّج زبان سے اخذ کیے جاتے ہیں، یا اس کی خبر اللہ خود دیتا ہے۔۹؎

اشعار سے استشہاد

امام طبریؒ لغت اور اشعار کے ماہر تھے۔ مصر میں قیام کے دوران آپ نے طرماح بن حکیم کے اشعار املا کروائے تھے اور ان کے مشکل اور غریب الفاظ کی تشریح و توضیح کی تھی۔ اس مہارت کی وجہ سے آپ نے تفسیر قرآن میں بھی اشعار سے استشہاد کیا ہے۔ مثال کے طور پر آپ نے لفظ 'سورہ' کو قدر و منزلت کے معنیٰ میں لیا ہے اور اس پر نابغۂ ذبیانی کے اس شعر سے استشہاد کیا ہے:

ألم تر أن اللہ أعطاک سورۃ تری کل ملک دو نہا یتذبذب

(اللہ نے تم کو وہ قدر و منزلت عطا فرمائی ہے جس تک بڑے بڑے بادشاہوں کی رسائی نہیں ہوسکتی۔)

وہ کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے 'سورۃ' کو واؤ کے بجائے ہمزہ (سؤرۃ) کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں اس لفظ کے معنیٰ 'ٹکڑا' کے ہوں گے، یعنی اس کو قرآن کے دوسرے حصوں سے الگ کر دیا گیا ہے، اس طرح اس کا نام 'سورہ' پڑ گیا۔ اس سلسلے میں انھوں نے اعشیٰ بن ثعلبہ کا شعر بہ طور استشہاد پیش کیا ہے، جس نے ایک عورت کا تذکرہ کیا ہے جس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا، لیکن اس کے دل میں محبت کا بیج ڈال گئی۔۱۰؎

نحوی قواعد کا تذکرہ

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں الفاظ کے معانی کی وضاحت کے لیے اکثر و بیش

ترنحوی قواعد کا بھی حوالہ دیا ہے۔مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

قَالَ سَآوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ (ہود: ۴۳)

''اس نے پلٹ کر کہا: میں ابھی ایک پہاڑ پر چڑھ جاتا ہوں جو مجھے پانی سے بچالے گا۔حضرت نوحؑ نے کہا: آج کوئی چیز اللہ کے حکم سے بچانے والی نہیں ہے، سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم فرمائے۔''

امام طبریؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ عرب نے اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ میں من کے اعراب پر اختلاف کیا ہے۔کوفہ کے بعض نحویوں کے نزدیک یہ منصوب ہے، اس لیے کہ 'معصوم' (جس کی حفاظت کی جائے) کا معاملہ 'عاصم' (حفاظت کرنے والا) کے برعکس ہوتا ہے اور جس پر اللہ کی رحمت ہوگی وہ اس سیلاب سے محفوظ رہ سکے گا۔گویا مَنۡ رَّحِمَ کا منصوب ہونا اس آیت کی طرح ہے: مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنۡ عِلۡمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ (النساء: ۱۵۷)۔ان لوگوں کے نزدیک مندرجہ بالا آیت میں مَنۡ رَّحِمَ کو مرفوع قرار دینا جائز نہیں ہے۔لیکن امام طبریؒ کہتے ہیں کہ اگر 'عاصم' کو 'معصوم' کے معنیٰ میں لے لیا جائے تو مَن کو مرفوع قرار دینا جائز ہوگا، کیوں کہ مفعول کو فاعل کی جگہ پڑھنا باعثِ تعجب نہیں۔یہ اسلوب قرآن میں مستعمل ہے۔مثال کے طور پر قرآن مجید کا ارشاد ہے:

خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ (الطارق:۶) ''ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا۔''

یہاں 'دافق' 'مدفوق' کے معنیٰ میں ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ (القارعۃ: ۷) ''وہ دل پسند عیش میں ہوں گے۔''

یہاں 'راضیۃ' 'مرضیۃ' کے معنیٰ میں ہے۔۱۱؎

فقہی مباحث کا اہتمام

علامہ طبریؒ مفسرِ قرآن اور محدّث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔انھوں نے تمام مروّجہ مسالک کا بہ غور مطالعہ کیا تھا۔فقہ کے موضوع پر مختلف کتابوں کے مصنف اور خود ایک مسلک کے بانی تھے۔اسی وجہ سے انھوں نے قرآنی آیات سے متعلق فقہی

مباحث کو اپنی تفسیر میں خاص جگہ دی ہے۔ آپ جس رائے کو قرآن و حدیث سے قریب تر پاتے تھے اس کو اختیار کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

□ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلوٰةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْ □ دِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ (المائدۃ: ۶)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منھ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو۔''

امام طبریؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اہلِ تاویل کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سر کے مسح کی شکل کیا ہو؟ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مسح اس طرح کیا جائے کہ معلوم ہو، مسح کیا گیا ہے، یعنی سر کے اگلے حصے سے چہرے تک مسح کرے، یا اس کے اوپری حصے پر مسح کرے، یا بال پر مسح کرے، یا سر کے کسی حصے پر مسح کر لے۔ کچھ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مسح پورے سر کا ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ، امام یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مطابق تین انگلیوں سے کم کا مسح جائز نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مطلق مسح کا حکم دیا ہے، کوئی حد نہیں بتائی ہے۔ اس لیے وضو کرنے والا جس طرح بھی سر کا مسح کرے گا، فریضے کی ادائیگی ہو جائے گی۔ اس لیے کہ اس پر 'مسح راس' کا اطلاق ہو جائے گا۔ ۱۲؎

بے مقصد امور سے احتراز

علامہ طبریؒ نے اپنی تفسیر میں دیگر مفسرین کی طرح لایعنی اور بے کار باتوں کا ذکر کرنے سے پرہیز کیا ہے۔ اس لیے کہ آپ کے نزدیک ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں تھی، جس سے دین کا کوئی فائدہ مقصود نہ ہو۔ مثال کے طور پر سورۂ یوسف کی آیت: وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ (یوسف: ۲۰) ''انھوں نے تھوڑی سی قیمت پر چند درہموں کے عوض اسے بیچ ڈالا۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آپ (حضرت یوسفؑ) کو کتنے درہم

کے عوض بیچا گیا؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ دَرَاھِمَ مَعْدُودَۃ سے بیس درہم مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں: بائیس درہم۔ وہ گیارہ بھائی تھے، دو دو درہم آپس میں بانٹ لیے۔ کچھ علماء کا خیال ہے کہ چالیس درہم تھے۔''

اس کے بعد امام طبریؒ ان تمام رایوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میرے نزدیک آیت کی صحیح تفسیر یہ ہے کہ انھوں نے گنتی کے چند درہموں کے عوض بیچ دیا۔ اس کی کوئی تعداد متعین نہیں فرمائی، نہ پیمانے کی کوئی تعیین کی۔ قرآن وحدیث میں اس سلسلے میں کوئی واضح رہ نمائی نہیں ہے۔ ممکن ہے، بیس درہم رہے ہوں، یا بائیس درہم، ممکن ہے، چالیس درہم رہے ہوں یا اس سے کچھ کم وبیش۔ بہر حال کتنے بھی رہے ہوں، گنتی کے تھے، وزن سے نہیں تھے۔ اگر ان کا وزن معلوم ہو جائے تو دین میں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ اور اگر نہ معلوم ہو تو اس سے کیا نقصان ہوگا؟ قرآن کے ظاہر پر ایمان لانا فرض ہے، اس سے آگے کی معلومات کا حصول ہمارے لیے ضروری نہیں۔''[۱۳]

اجماع کی اہمیت

ابن جریر طبریؒ نے اپنی تفسیر میں اجماعِ امت کو اہمیت دی ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَإِن طَلَّقَهَا فَلاَ تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىَ تَنكِحَ زَوْجاً غَيْ□رَہ (البقرۃ: ۲۳۰)

''پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی، الّا یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے سے ہو جائے۔''

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام طبریؒ لکھتے ہیں:

''اگر کوئی شخص پوچھے کہ اس آیت میں 'نکاح' کے معنیٰ مجامعت کے ہیں یا عقدِ نکاح کے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دونوں معنیٰ مراد ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ایک عورت کسی شخص سے نکاح کرے اور بلا جماع اس کو طلاق

دے دے تو وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اس سے عقدِ نکاح کیے بغیر بدکاری کا ارتکاب کرے تو بھی وہ خاوند کے لیے حلال نہ ہوگی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس بات پر امت کا اجماع ہو چکا ہے۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب کوئی شخص اس سے نکاح کرنے کے بعد جماع کرے، پھر اسے طلاق دے دے۔ اگر دریافت کیا جائے کہ قرآن میں تو جماع کا ذکر موجود نہیں، پھر اس کی دلیل کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مفہوم اجماعِ امت کی بنا پر متعین کیا گیا ہے۔'' [۱۴]

تفسیر بالرأی سے احتراز

امام طبریؒ نے خود بھی تفسیر بالرأی سے احتراز کیا ہے اور اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم دی ہے۔ تفسیر بالرأی سے مراد قرآن کی ایسی توجیہ ہے جس کی بنیاد سیاسی، گروہی، نسلی اور مسلکی خواہشات و خیالات پر ہو، جو قرآن کریم کے مقصد اور نصب العین سے ہٹے ہوئے ہوں۔

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر کے مقدمے میں ایک فصل قائم کی ہے، جس کا عنوان ہے: 'ان اخبار و روایات کا تذکرہ، جن میں تفسیر بالرأی کی ممانعت آئی ہے'۔ اس فصل میں انھوں نے کئی حدیثیں نقل کی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے: ''**مَن قالَ في القُرآنِ بِرایه فَلیَتَبَوَّ أ مَقعَدَه مِنَ النَّارِ**''۔ (جس نے قرآن میں اپنی طرف سے کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔) اس مفہوم میں کئی احادیث نقل کرنے کے بعد امام طبریؒ نے یہ تبصرہ کیا ہے:

> ''یہ تمام روایتیں ہمارے اس قول کی سچائی کی شہادت دیتی ہیں کہ قرآن کی تأویل و تفسیر اگر کوئی ایسا شخص کرتا ہے جسے اس کے علم کا ادراک نہیں اور رسول اللہ ﷺ کی توضیحات کی معرفت اسے حاصل نہیں اور نہ علم تأویل سے اسے واقفیت ہے تو محض اپنی رائے کی بنیاد پر اس کی تفسیر کرنا اس کے لیے جائز نہیں ہے، بلکہ اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرنے والا اگر سچی بات کہے گا تو بھی

خطا کار ہوگا، کیوں کہ اس نے یہ تفسیر اپنی رائے سے کی ہے اور اس کی یہ اصابت
اور سچائی ایمان و یقین کی بنیاد پر نہیں، بلکہ ظن و گمان کی پیداوار ہے۔"۱۵ے

تفسیر طبری کا منہج

تفسیر طبری کا شمار تفسیر بالمأ ثور کی نمائندہ تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس سے پہلے جتنی بھی تفسیریں لکھی گئیں، وہ گردشِ زمانہ کی نذر ہو گئیں۔ ان تمام تفاسیر کے اقوال کو آپ نے اپنی تفسیر میں محفوظ کر لیا۔ اس کے بعد جو تفاسیر منصۂ شہود پر آئیں، چاہے وہ عربی میں ہوں یا اردو اور فارسی میں، سب تفسیر طبری سے مستفاد ہیں، کوئی بھی مفسر تفسیر طبری سے بے نیاز نہیں رہ سکا ہے۔ ذیل میں اس تفسیر کی چند خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

طبریؒ جب کسی آیت کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں: "**القول في تأويل قوله تعالىٰ۔۔۔**" (فلاں آیت کی تفسیر)، پھر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں اور اس کی تائید میں اپنی سند کے ساتھ احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار بیان کرتے ہیں۔ اگر کسی آیت کے بارے میں دو یا دو سے زیادہ اقوال منقول ہوں تو وہ ہر قول کے ضمن میں اقوالِ صحابہ و تابعین سے استشہاد کرتے ہیں۔

مزید برآں طبریؒ صرف تفسیری اقوال ہی نقل نہیں کرتے، بلکہ ایک کو دوسرے کے مقابلے میں ترجیح بھی دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

كَيْ ☐ فَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِهٖٓ إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (التوبۃ:۷)

"ان مشرکین کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد آخر کیسے ہو سکتا ہے؟ بجز ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا تھا۔"

امام طبریؒ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین کا یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ **إِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** سے کون لوگ مراد ہیں؟ کیا ان سے مراد الدیل کے قبیلہ جذیمہ کے لوگ ہیں یا کنانہ کے جذیمہ؟ یا وہ قبائل بکر مراد ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک تھے اور اس معاہدے کو توڑنے

والے صرف یہی لوگ تھے؟ یا خود قریش کے لوگ مراد ہیں؟ یا ان سے قبیلہ خزاعہ مراد ہے؟اس اختلاف کونقل کرنے کے بعد تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''میرے نزدیک اس میں سب سے زیادہ صحیح رائے ان لوگوں کی ہے جن کے نزدیک ان سے کنانہ کے بنو بکر مراد ہیں، جو اپنے عہد پر قائم تھے اور صلح حدیبیہ کی جن دفعات پر قریش اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان معاہدہ ہوا تھا، اس کی انھوں نے خلاف ورزی نہیں کی تھی۔ میں نے اس قول کو زیادہ درست اس لیے قرار دیا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیے گئے عہد کی پابندی کرو جن سے تم نے مسجد حرام میں معاہدہ کیا تھا، بہ شرطے کہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ ہم یہ وضاحت کر چکے ہیں کہ ان آیات کا اعلان ۹ ھ میں کیا گیا تھا، یعنی فتح مکہ کے ایک سال کے بعد۔ اس وقت مکہ میں کوئی قریشی یا خزاعی کافر نہ تھا، جسے معاہدے کی پاس داری کا حکم دیا جاتا، کیوں کہ باشندگانِ مکہ میں سے جو لوگ تھے وہ ان آیات کے نزول سے پہلے ہی نقضِ عہد کر چکے تھے اور ان سے جنگ ہو چکی تھی۔''[16]

امام طبریؒ نے اپنی تفسیر میں بہ سندِ خود کعب الاحبار، وہب بن منبہ اور سدی سے اسرائیلی اخبار و روایات نقل کی ہیں اور ان پر نقد و تبصرہ کا بھی اہتمام کیا ہے، لیکن بعض جگہوں پر آپ نے صرف اسناد کے ساتھ روایت بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور ان کی چھان پھٹک اور جانچ قاری کی صواب دید پر چھوڑ دی ہے۔ ایسے موقع پر قاری کے لیے ضروری ہے کہ اسے اسناد کا مکمل علم ہو، تاکہ جہاں طبریؒ نے روایات پر نقد و تبصرہ نہیں کیا ہے وہاں وہ صحیح رائے قائم کر سکے اور کسی امکانی غلطی سے محفوظ رہ سکے۔

امام طبریؒ کے نزدیک اگر کسی لفظ کے معنیٰ میں اختلاف ہو جائے، جس کی وجہ سے آیت کے مفہوم میں شک و شبہ پیدا ہو جائے تو وہاں کلامِ عرب میں مشہور معنیٰ کو ترجیح دی جائے گی۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت: حَتّٰٓی إِذَا جَآءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّور (ہود: ۴۰) ''یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا۔'' میں لفظ 'تنور' کی تفسیر میں امام طبریؒ نے علماء سلف کے درج ذیل اقوال درج کیے ہیں:

(۱) تنور سے روئے زمین مراد ہے۔

(۲) اس کے معنیٰ صبح کے روشن ہوجانے کے ہیں۔

(۳) اس سے زمین کا بالائی اور عمدہ حصہ مراد ہے۔

(۴) تنور اس بھٹی کو کہتے ہیں جس میں روٹیاں پکائی جاتی ہیں۔

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس ضمن میں صحیح تر قول یہ ہے کہ اس سے روٹیاں پکانے کا تنور مراد ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام عرب میں اس کا یہی معنیٰ معروف ہے۔ کلام الٰہی میں جو لفظ وارد ہوا ہے اس کے وہی معنیٰ مراد لینے چاہیے جو عرب میں مشہور تر ہوں۔ البتہ اگر کسی دلیل سے کوئی اور مفہوم ثابت ہو جائے تو الگ بات ہے، کیوں کہ اللہ نے اس کلام کے ذریعہ عربوں کو اسی لیے مخاطب کیا تھا کہ آسانی سے وہ اس کا معنیٰ ومفہوم سمجھ جائیں۔'' ۱۷؎

عقلی وکلامی تفاسیر میں بھی ابن جریر کا مقام فروتر نہیں ہے۔ آپ نے ایک طرف جہاں اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ وتابعین سے ثابت شدہ اقوال سے تفسیر کی ہے، وہیں آپ کی تفسیر مختلف مسائل میں استنباط اور آپ کی حریت فکر ونظر کی بھی غمّاز ہے۔ آپ کا بنیادی نقطۂ نظر اقوالِ صحابہ وتابعین سے بھرپور استفادہ اور آزاد خیال مفسرین کی پرزور تردید ہے۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے:

ثُمَّ یَأْتِیْ مِن بَعْدِ ذَٰلِکَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُونَ
(یوسف: ۴۹)

''اس کے بعد پھر ایک ایسا سال آئے گا جس میں بارانِ رحمت سے لوگوں کی فریادرسی کی جائے گی اور وہ رس نچوڑیں گے۔''

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طبریؒ لکھتے ہیں: ''بعض مفسرین، جو اقوالِ سلف سے نا آشنا ہیں اور لغت کی مدد سے قرآن عزیز کی تفسیر بالرأی کرنا چاہتے ہیں، وہ 'فِیْهِ یَعْصِرُونَ' کے معنیٰ یہ بیان کرتے ہیں کہ بارش کی وجہ سے لوگ قحط سے نجات پا جائیں گے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ 'عصر' نجات کے معنیٰ میں ہے۔ اس ضمن میں وہ اشعارِ عرب سے بھی استشہاد کرتے ہیں، مگر تمام اہلِ علم صحابہ وتابعین کا قول اس کے خلاف ہے۔'' ۱۸؎

امام طبریؒ کا قلم، جہاں موقع ملتا ہے، عقلی اور کلامی تفسیر کی جانب گام زن ہوجاتا ہے۔ موصوف جب کسی آیت اوراصول اورعقائد میں تطبیق دیتے ہیں، یا بعض کلامی نظریات کی تردید کرتے ہیں تو اس فن میں بھی آپ کا قلم بلندیوں کو چھوتا ہوا محسوس ہوتا ہے، لیکن کلامی جدلیات ہوں یا تطبیقی مناقشات، وہ کسی صورت میں بھی اہلِ سنت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ 'اختیار' کے مسئلے میں انھوں نے قدریہ کی جو تردید کی ہے، اس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ سورۃ الفاتحہ کی آیت **غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ** کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "بعض غبی منکرینِ تقدیر نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو ضالین (گم راہ) کہہ کر ضلال کی نسبت ان کی جانب کی ہے۔ یہ نہیں کہا کہ میں نے ان کو گم راہ کیا ہے۔ اسی طرح یہ بھی نہیں کہا کہ وہ دوسروں کو گم راہ کرنے والے ہیں۔ اس سے قدریہ کا یہ عقیدہ ثابت ہوا کہ انسان اپنے اعمال میں خود مختار ہے۔ اس کا قائل عربوں کے اسلوبِ کلام سے یکسر بے گانہ ہے۔ اگر اس بات کو درست تسلیم کرلیا جائے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ جس کو بھی کسی صفت سے موصوف کیا جائے، یا جس کی جانب بھی کسی فعل کو منسوب کیا جائے، وہ فعل سراسر اس کا ہوتا ہے اور کسی دوسرے کا اس فعل کے ساتھ کچھ تعلق نہیں ہوتا۔
>
> اندریں صورت جب ہوا درخت کو حرکت دے رہی ہو تو یہ کہنا کہ 'درخت ہلا' غلط ہوگا، اسی طرح جب زلزلہ آنے سے زمین حرکت کرنے لگے تو یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ زمین نے حرکت کی۔ اس لیے کہ نہ درخت خود ہلا ہے اور نہ زمین نے خود حرکت کی ہے، بلکہ ان کو ہلانے والا اور حرکت دینے والا کوئی اور ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قدریہ نے سورۂ فاتحہ کی آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ قطعاً بے بنیاد ہے۔ اسی لیے بیش تر آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دینے اور گم راہ کرنے کی نسبت اپنی جانب بھی ہے:
>
> وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلۡمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمۡعِهِ وَقَلۡبِهِ (الجاثیۃ: ۲۳)

’’اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گم راہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی۔‘‘

مذکورہ آیت میں بتایا گیا ہے کہ ہدایت دینا اور گم راہ کرنا اللہ کا کام ہے، کسی اور کا نہیں۔ مگر قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی میں یہ عام دستور ہے کہ فعل کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے جس سے بہ ظاہر وہ صادر ہوا ہو، اگر چہ وہ فعل کسی اور کی مشیت و قدرت سے ظہور میں آیا ہو۔ جب ایک فعل بندہ خود انجام دے رہا ہو، مگر اس کا حقیقی موجد اللہ تعالیٰ ہو تو اس کو فاعل کی جانب اس اعتبار سے منسوب کیا جائے گا کہ اس نے اللہ کی دی ہوئی قدرت و اختیار سے وہ کام کیا اور اللہ تعالیٰ کی جانب اس لیے منسوب ہوگا کہ موجد حقیقی دراصل وہی ہے۔‘‘۱۹؎

حواشی و مراجع

۱۔ شہاب الدین ابو عبد اللہ، یاقوت الحموی، معجم الادباء، دار المامون، قاہرہ، ج ۱۸، ص ۴۹

۲۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۷۳ء، ج ۱۲، ص ۴۰۲۔ ۴۰۳

۳۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۴۰۲۔ ۴۰۳

۴۔ غلام احمد حریری، تاریخ تفسیر و مفسرین،، تاج پرنٹرز نئی دہلی، ۱۹۸۵ء، ص ۱۹۲

۵۔ حوالۂ سابق، ص ۱۹۴

۶۔ الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، المطبعۃ الامیریۃ بولاق، ۱۳۲۵ھ، ج ۳، ص ۶

۷۔ حوالۂ سابق، ج ۱، ص ۱۱

۸۔ حوالۂ سابق، ج ۱۵، ص ۳۴۔ ۳۳

۹۔ حوالۂ سابق، ج ۳۰، ص ۱۹۳

۱۰۔ طبری نے لفظ ’سورۃ‘ کے لیے بہ طور استشہاد اعشیٰ بن ثعلبہ کا جو شعر نقل کیا ہے وہ یہ ہے:

فبانت و قد أسارت فی الفوا۔۔۔۔ دصدعاً علی نائها مستطیرا

۱۲۔ الطبری، ابن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۲، ص ۲۸

۱۲۔ حوالۂ سابق، ج ۶، ص ۹۷

۱۳۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۱۰۳

۱۴۔ حوالۂ سابق، ج ۲، ص ۲۹۰

۱۵۔ حوالۂ سابق، ج ۱، ص ۲۷

۱۶۔ حوالۂ سابق، ج ۱۰، ص ۵۹

۱۷۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۲۵

۱۸۔ حوالۂ سابق، ج ۱۲، ص ۱۳۸

۱۹۔ حوالۂ سابق، ج ۱، ص ۶۴

اعلانِ ملکیت، سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، فارم: ۴، رول: ۹

۱۔مقام اشاعت: نبی نگر، (جمال پور)، علی گڑھ

۲۔نوعیت اشاعت: سہ ماہی

۳۔ پرنٹر پبلشر: سید جلال الدین عمری

۴۔قومیت: ہندوستانی

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۵۔ ایڈیٹر: سید جلال الدین عمری،

پتہ: دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۶۔ملکیت: ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی،

نبی نگر، (جمال پور)، علی گڑھ

بنیادی ارکان کے اسمائے گرامی

۱۔مولانا سید جلال الدین عمری (صدر)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۲–ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی – ۲۵

۳۔ڈاکٹر محمد رفعت (خازن)

شعبۂ فزکس، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

۴– جناب ٹی، عارف علی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

۵۔جناب نصرت علی (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

۶ –انجینیر سید سعادت اللہ حسینی (رکن)

10-3-297/303، ہارمنی اپارٹمنٹس،

ہمایوں نگر، حیدرآباد–۲۸

۷۔مولانا محمد فاروق خاں (رکن)

دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵

۸۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی (رکن)

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر علی گڑھ

۹۔ پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی (رکن)

اسلام منزل، گلی نمبر ۸، اقرا کالونی، علی گڑھ

۱۰۔ پروفیسر سید مسعود احمد (رکن)

اقرا کالونی، نیوسر سید نگر، علی گڑھ

۱۱۔مولانا امین عثمانی (رکن)

F-161، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵

مندرجہ بالا معلومات میرے علم و یقین کی حد تک بالکل درست ہیں۔

پبلشر

سید جلال الدین عمری

مصادرِ سیرت پر ایک نظر

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری

مترجم: ڈاکٹر محمد صلاح الدین عمری

سیرتِ نبوی کا مطالعہ مختلف و متنوع مصادر کی مدد سے کیا جاتا ہے۔ اُن میں بنیادی مصادر بھی ہیں اور تکمیلی مصادر بھی۔ بنیادی مصادر میں قرآن کریم ، حدیث نبوی، کتب شمائل، کتبِ سیرت اور تاریخ کی عام کتابیں ہیں۔ تکمیلی مصادر میں وہ مصادر ہیں جو سیرت یا تاریخ کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دوسرے موضوعات سے متعلق ہیں، لیکن مطالعۂ سیرت میں ان سے کسی نہ کسی حیثیت میں استفادہ کیا جاتا ہے، مثلاً کتبِ ادب، شعراء کے دواوین، کتب الرجال و التراجم، کتبِ جغرافیہ، کتبِ فقہ، کتبِ انساب اور معاجم وغیرہ۔ اس میں شک نہیں کہ مطالعۂ سیرت میں ان کتب کا استیعاب ممکنہ حد تک مکمل ترین اور واضح صورت پیش کرتا ہے۔ یہاں ان مصادر کے سلسلہ میں ایک نظریہ پیش کرنے اور ان کی قدر و قیمت اور کیفیتِ استعمال پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

سب سے پہلی چیز، جس پر محقق کو اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ یہ مصادر 'قوت'، 'ضعف'، 'اصالہ' اور 'وضع' کے اعتبار سے مختلف ہیں، لہٰذا انھیں ایک صف میں رکھا جا سکتا ہے نہ ان کے ساتھ برابری کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ کتبِ تاریخ و ادب کی کسی روایت کا قرآنی آیت یا حدیثِ صحیح سے معارضہ ممکن نہیں۔ [۱] لہٰذا ان مصادر کی جانچ اور ان کو اپنے صحیح مقام و مرتبہ پر رکھنا لازم ہے۔

قرآن مجید اور کتبِ تفسیر

قرآن مجید مصادرِ سیرت میں 'جبین' (پیشانی) کی حیثیت رکھتا ہے ۲۔ وہ اللہ کا کلام ہے، جو نبی کریم ﷺ پر لفظاً و معناً بہ طریقِ وحی نازل ہوا۔ یہ اسلامی عقیدہ اور شریعت پر مشتمل ہے۔ اس میں نُظم اسلامیہ کے بیان اور ان کی نشو ونما سے متعلق بڑی اہمیت کے حامل احکام کی آیات وارد ہوئی ہیں، جو اجتماعی، اقتصادی اور سیاسی ضوابط و قوانین پر روشنی ڈالتی ہیں، جن کی رُو سے نبی ﷺ نے اولین اسلامی ریاست کے نظم و نسق کا فریضہ انجام دیا۔

قرآن کریم میں عہد سیرت کے بعض واقعات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ مثلاً بدر، احد، خندق، حنین۔ ۳۔ ان آیات سے اس وقت کے عام حالات پر روشنی پڑتی ہے جن میں غزوات اور اہم واقعات پیش آئے، بالخصوص قرآن میں نفسیاتی پہلوؤں اور کیفیات پر سچائی اور دقیقہ رسی کے ساتھ بیانات ملتے ہیں، جن کی واقفیت ہم کو دوسرے مصادر سے نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح قرآن حجاز میں مسلمانوں اور یہود کے درمیان فکری و مادی کش مکش اور تعارض کی بڑی سچی تصویر کشی کرتا ہے۔ ۴۔ اقوامِ ماضی کی جانب قرآن کے اشاروں نے مسلمانوں کے نظریۂ تاریخ کو وسعت بخشی، چنانچہ ان کے مطالعات میں انبیاء سابقین اور اقوامِ ماضیہ کی تاریخ بھی شامل ہے۔ قرآن کا جزیرہ نمائے عرب سے باہر کے واقعات، مثلاً روم و فارس کے درمیان کش مکش کے بیان نے مسلمان مؤرخوں کے یہاں عالمی تاریخ کے اہتمام کی بنیاد ڈالی۔ روم، فارس، ترک اور احباش وغیرہ کا بیان ان کی تاریخ کا حصّہ ہے۔ ۵۔

لیکن ہمیں یہ توقع نہیں کرنی چاہئے کہ قرآن کریم میں ان واقعات کی تفصیلات بیان کی گئی ہوں گی، کیوں کہ وہ تاریخ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ دستورِ زندگی ہے۔ پھر یہ کہ بہت سی آیات کے اسبابِ نزول اور زمانۂ نزول کی صحیح معرفت میں دشواری ہے، اس لیے کہ یا تو اس سلسلے میں روایات موجود نہیں ہیں، یا موجود روایات میں اختلاف پایا جاتا

ہے ۶۔ جو تحقیق کی متقاضی ہیں، تاکہ سب سے پہلے روایات کی صحت کا پتہ لگایا جائے اور اگر پھر بھی تعارض باقی رہے تو اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے۔

یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم سے پوری طرح استفادہ بغیر کتبِ تفسیر سے رجوع کیے ہوئے نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً تفسیر بالمأثور میں تفسیر طبری اور تفسیر ابن کثیر۔ اسی طرح قرآن اور علومِ قرآن سے متعلق دیگر کتب، مثلاً کتبِ ناسخ ومنسوخ اور کتبِ اسبابِ نزول وغیرہ کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔

بعض معاصر مؤرخین ان تالیفات سے رجوع کرنے میں پہلوتہی کرتے ہیں اور اسالیب و معانی لغت کے فہم میں اپنے ذوق پر اعتماد کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ بڑی غلطیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً بعض مستشرقین آیت **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الأُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنهُم** کی تفسیر میں یہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نبی ﷺ کو **'النبيّ الأمّي'** قرار دیتا ہے، جب کہ یہ بات قرینِ عقل نہیں کہ نبی دین سے جاہل ہو۔'' ۷

علمی پاکیزگی تقاضا کرتی ہے کہ معتبر کتبِ تفسیر سے رجوع کیا جائے اور قرآنی نصوص کو ان کے مراد اور صحیح معنی دیے جائیں۔ خواہشات کے مطابق کسی رائے یا نظریہ کو ثابت کرنے کی غرض سے آیات کے معانی میں باطل تاویل نہ کی جائے۔ نبی ﷺ نے اس سلسلہ میں تنبیہ فرمائی ہے: **من قال في القرآن برأيه أو بما لا يعلم فليتبوّأ مقعده من النار** ۸ ''جس شخص نے قرآن کے معاملے میں اپنی رائے سے کوئی بات کہی یا نادانی میں کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔''

کتبِ حدیث

سیرتِ مطہرہ کے مطالعہ میں جہاں تک حدیث کی اہمیت کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ احادیثِ نبویہؐ عقائد اور اسلامی آداب کی وضاحت کرتی ہیں اور احکام پر مشتمل احادیث عبادتی اور تشریعی پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں، مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، سیاسی طریقِ کار، مالیاتی نظم ونسق اور تنظیمی امور وغیرہ۔ اسلام کا مکمل

تصور بغیر حدیث کی معرفت کے ممکن نہیں۔اور ان تمام پہلوؤں کا،جن کا احاطہ احادیث کرتی ہیں،عہد نبیؐ اور مابعد ادوار کی ثقافتی، اجتماعی، اقتصادی اور انتظامی زندگی سے گہرا تعلق ہے،کیوں کہ مسلمانوں نے بڑی حد تک اپنی زندگیوں میں سنّت کی تطبیق کا التزام کیا ہے۔اسی طرح بعض کتبِ حدیث نے مغازی وسیر کے خاص ابواب قائم کرنے کا اہتمام کیا ہے،مثلاً صحیح البخاری۔

اس میں شک نہیں کہ کتبِ حدیث میں سیرت سے متعلق جو مواد موجود ہے وہ کتبِ مغازی کی روایات اور عام کتبِ تاریخ کے مقابلہ میں زیادہ معتبر اور قابلِ ترجیح ہے۔خاص طور پر جب وہ روایات حدیث کی صحیح کتب میں آئی ہوں، کیوں کہ وہ محدثین کی حدیث کی تمحیص اور سنداً ومتناً اس کی تنقید میں ان تھک محنتوں کا ثمرہ ہوتی ہیں۔اس قسم کی تنقیدی دقیقہ رسی اور کسوٹی پر پرکھنے کے بعد حدیث کے درجہ کو متعین کرنے کا عمل حدیث کے علاوہ دوسری کتبِ تاریخ میں نہیں پایا جاتا۔لیکن یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ کتبِ حدیث مغازی اور واقعاتِ سیرت کی تفصیلات بیان نہیں کرتیں، بلکہ انہی احادیث کو شامل کرتی ہیں جو شرطِ مؤلف کے تحت آتی ہیں۔اس طرح وہ 'جو کچھ واقع ہوا' کی مکمل صورت پیش نہیں کرتیں۔اس کی صورت کو مکمل کرنے کے لیے خاص کتبِ سیرت سے مدد لینی پڑتی ہے، ورنہ اس میں بڑا التباس پیدا ہو جاتا ہے۔۹؎

لیکن کتبِ حدیث میں ترتیبِ احادیث یا تو روایت کرنے والے صحابہ کے مطابق ہے، مثلاً کتبِ مسانید، جن میں عظیم ترین مسند امام احمد بن حنبل ہے ، یا موضوعات کے اعتبار سے ،مثلاً کتبِ صحاح ستّہ ۔ان دونوں ترتیبوں میں زمانہ کا لحاظ نہیں ہوتا،جس کی وجہ سے محقق کے سامنے احادیث کی زمانی تعیین میں مشکل پیش آتی ہے، جب کہ کتبِ سیر و تاریخ، جو سنین کے اعتبار سے مرتب کی جاتی ہیں، ان میں اکثر اس نقص کو دور کر دیا جاتا ہے۔قدیم ترین جامع کتبِ حدیث میں مؤطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی اور مسند احمد بن حنبل ہم تک پہنچی ہیں۔

کتبِ دلائل وخصائص

جہاں تک کتبِ دلائل کا تعلق ہے تو یہ معجزات اوران دلائل کے بیان پر مشتمل ہیں جو نبیؐ کی صداقت کی وضاحت کرتے ہیں۔ اگر چہ کتبِ حدیث میں علاماتِ نبوت، آیاتِ نبوت، دلایلِ نبوت اور خصایصِ رسولؐ جیسے موضوعات پر بھی ابواب قائم کیے گئے ہیں، لیکن سب سے پہلے ان موضوعات پر ثقہ محدث محمد بن یوسف الفریابی (م ۲۱۲ھ) نے 'دلائل النبوۃ' میں لکھا ہے۔ ان کے بعد علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ) نے 'آیات النبی'، داوٗد بن علی الاصبہانی (م ۲۷۰ھ) نے 'أعلام النبوۃ'، ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) نے 'أعلام رسول اللہ' اورابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے 'أعلام النبوۃ' میں ان موضوعات پر تحریر کیا ہے۔ علاوہ ازیں ان موضوعات پر لکھنے والوں میں ابو بکر بن أبی الدنیا (م ۲۸۱ھ)، ابوعبداللہ بن مندہ (م ۳۹۵ھ)، ابونعیم أحمد بن عبداللہ الأصبہانی (م ۴۳۰ھ)، جن کی ایک مختصر طبع ہوئی ہے، جس میں بہت سی ضعیف روایات ہیں اور قاضی عبد الجبار المعتزلی (م ۴۱۵ھ) (جن کی تصنیف 'تثبیت دلائل النبوۃ' طبع ہو چکی ہے) کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ابو العباس جعفر بن محمد المستغفری (م ۴۳۲ھ) کا نام بھی لایقِ ذکر ہے۔ پھر ابو بکر احمد بن حسین البیہقی (م ۴۵۸ھ)، جن کی کتاب طبع ہوچکی ہے۔ اس میں 'صحیح' اور 'حسن' احادیث بھی ہیں اور 'ضعیف' و'موضوع' بھی۔ حافظ الذہبی نے اس کتاب کا اچھے انداز میں ذکر کیا ہے[۱۰]۔ اور ابو الحسن علی بن محمد الماوردی (م ۴۵۰ھ)، جن کی کتاب طبع ہو چکی ہے، اور ابو القاسم اسماعیل الأصفہانی (م ۵۳۵ھ)، پھر عمر بن علی الملقّن (م ۸۰۴ھ) جن کی کتاب 'خصائص أفضل المخلوقین' ہے اور آخر میں جلال الدین السیوطی (م ۹۱۱ھ) جن کی 'الخصائص الکبریٰ' (مطبوعہ) سیرت، دلائل اور شمائل پر مشتمل ہے۔ کتبِ خصائص بہت سی ہیں، جن میں سے صرف چند کا یہاں ذکر کیا ہے۔

کتبِ شمائل

کتبِ شمائل اخلاقِ نبیؐ اور آپؐ کے آداب وصفات پر مشتمل ہوتی ہیں۔ اس

موضوع پر ابو البختری وہب بن وہب الأسدی (م ۲۰۰ھ) 'صفۃ النبی ﷺ' تالیف کی۔ پھر ابو الحسن علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۴ھ) کی کتاب 'صفۃ النبی ﷺ'، داؤد بن علی الأصبهانی (م ۲۷۰ھ) کی 'صفۃ أخلاق النبی ﷺ' لائقِ ذکر ہیں۔ ابن الندیم نے بھی بعض کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع پر حافظ ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی 'الشمائل النبویۃ و الخصائص المصطفویۃ' بھی قابلِ ذکر ہے۔ ابو الشیخ عبد اللہ بن محمد بن حیان الأصبہانی (م ۳۷۹ھ) کی تالیف 'أخلاق النبی وآدابہ' بھی طبع ہو چکی ہے۔ پھر ابو سعد عبد الملک بن محمد النیسابوری (م ۴۰۶ھ) کی 'شرف المصطفیٰ' اور ابو العباس المستغفری (م ۴۳۲ھ) کی 'شمائل النبی' بھی ہے۔ اس موضوع پر قاضی عیاض (م ۵۴۴ھ) کی 'کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ' (مطبوعہ) ایک جامع کتاب ہے۔ اس کی احادیث کی حافظ سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے اپنی کتاب 'مناہل الصفا فی تخریج أحادیث الشفا' میں تخریج کی ہے۔ یہ بھی مطبوعہ ہے۔ متعدد علماء نے اس کی شرح لکھی ہے۔ ان میں علی القاری (م ۱۰۱۴ھ) کی 'فی شرح الشفا' (مطبوعہ) اور خفاجی (م ۱۰۶۹ھ) کی 'نسیم الریاض فی شرح الشفا للقاضی عیاض' لائقِ ذکر ہیں۔ حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر 'شمائل الرسول' (مطبوعہ) تصنیف کی ہے۔

کتبِ سیرت

جہاں تک سیرت کی کتابوں کا تعلق ہے تو وہ صحت و دقّت میں قرآن و حدیث کے بعد آتی ہیں۔ جو چیز ان کتب کو عظیم علمی قدر و قیمت عطا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ بہت پہلے اور متعین طور پر تابعین کے ہاتھوں لکھی گئی ہیں، جب کہ صحابۂ کرامؓ موجود تھے اور انھوں نے سیرت نگاروں کی تحریروں کا انکار نہیں کیا۔ صحابۂ کرامؓ کو سیرت کا دقیق اور وسیع علم تھا، کیوں کہ انھوں نے واقعاتِ سیرت کے ساتھ زندگی گزاری تھی اور ان میں شریک رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے ان کی محبت اور تعلق، آپؐ کی اتباع کی رغبت اور احکام میں آپؐ کی سنتوں کو اپنانے کی وجہ سے سیرت سے متعلق معلومات و اطلاعات ان کے درمیان عام تھیں اور ان کے مذاکرات کا حصّہ تھیں۔ صحابۂ کرامؓ میں بہت سے لوگ سیرت کے اہتمام کے لیے مشہور ہوئے۔ ان میں حضرت عبد اللہ بن

عباسؓ ،حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ اورحضرت براء بن عازبؓ قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۲؎

یوں اولین مرحلہ میں سیرت نگاری کے آغاز کی وجہ سے بڑی حد تک اس میں تحریف،مبالغہ،اورضیاع کا احتمال کم ہوگیا ہے۔

اوّلین سیرت نگاران

تابعین اور تبعِ تابعین میں سیرت نگاروں سے متعلق کئی جدید مطالعات سامنے آئے ہیں۔ ۱۳؎ لیکن ان میں ان کے احوال کو بیان کرنے میں جرح و تعدیل کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے اور نہ ان کی کتابوں کو اصطلاحِ حدیث کے قواعد اور حدیثی پہلو سے پرکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ سیرت نگار درج ذیل ہیں:

– ابان بن عثمان بن عفّان (م ۱۰۱–۱۰۵ھ): تابعین میں ثقہ محدث ہیں۔

– عروہ بن الزبیر بن العوّام (م ۹۴ھ): تابعین میں محدث ہیں۔ان کا شمار مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ہوتا ہے۔

– عامر بن شراحیل الشعبی (م ۱۰۳ھ): ثقہ محدث ہیں ۔ان کی کتاب 'المغازی' ہے۔

– عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۱۹ھ): ثقہ محدث ہیں۔

– محمد بن مسلم بن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ): ان کا شمار اپنے زمانہ کے بڑے محدثین میں ہوتا ہے۔علمائِ جرح وتعدیل نے ان پر اعتماد کا اظہار کیا ہے۔وہ اولین شخص ہیں جنھوں نے سیاق کی تکمیل اور واقعات میں بغیر انقطاعِ اسانید کے اتصال پیدا کرنے کے لیے اسانید کو جمع کرنے کا طریقہ استعمال کیا۔زہری پر تنقید کی گئی ہے کہ وہ اپنے متعدد شیوخ سے مروی احادیث کو،بغیر ہر ایک کی حدیث کو الگ الگ بیان کرنے کے،ایک کو دوسرے سے ملا دیتے ہیں،لیکن اس تنقید کو، جسے قاضی عیاضؒ نے قدماء کے بارے میں بیان کیا ہے،نوویؒ اور عراقیؒ جیسے بڑے علماء نے رد کر دیا ہے اور وضاحت کر دی ہے کہ یہ عمل جائز ہے، جب کہ اس کو بیان کر دیا گیا ہو

اور تمام راوی ثقہ ہوں۔

– شرحبیل بن سعد المدنی (م ۱۲۳ھ): معتبر شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا انتقال تقریباً سو برس کی عمر میں ہوا۔ ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی کتابوں میں ان کی احادیث کی تخریج کی ہے۔ ابن عیینہؒ کا قول ہے: ''ان سے زیادہ مغازی اور اصحابِ بدر کا جاننے والا کوئی نہیں تھا۔'' ۱۴؎

– یزید بن ہارون الأسدی المدنی (م ۱۳۰ھ): ثقہ تابعی ہیں۔ عروہ اور زہری پر اعتماد کرتے ہوئے انھوں نے مغازی پر لکھا ہے۔ ابن اسحق ان سے روایت کرتے ہیں۔ ۱۵؎

– عبداللہ بن أبی بکر بن عمرو بن حزم (م ۱۳۵ھ): تابعین میں ثقہ محدث ہیں۔

– موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۰ھ): زہری کے تلامذہ میں ثقہ محدث ہیں۔ امام مالکؒ نے مغازی میں ان کی کتاب کی تعریف کی ہے اور کہا ہے: ''وہ مغازی میں صحیح ترین کتاب ہے۔'' ۱۶؎ یحییٰ بن معین نے کہا ہے: ''موسیٰ بن عقبہ کی کتاب، جو زہری سے مستفاد ہے، ان کتب میں سب سے صحیح ہے۔'' ۱۷؎

امام شافعیؒ نے کہا ہے: ''مغازی میں موسیٰ بن عقبہ کی کتاب سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں ہے، اگرچہ یہ مختصر ہے اور اس میں بعض وہ چیزیں مذکور نہیں جو دوسری کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔'' ۱۸؎

ذہبیؒ نے لکھا ہے: ''جہاں تک مغازی موسیٰ بن عقبہ کا تعلق ہے، وہ ایک جلد میں ہے، جو بڑی نہیں ہے۔ ہم نے اسے سنا ہے۔ اس کا غالب حصّہ 'صحیح' اور 'مرسل جید' ہے، لیکن مختصر ہے، اس میں اضافہ اور تتمہ کی ضرورت ہے۔'' ۱۹؎ حافظ ابن حجرؒ مغازی موسیٰ بن عقبہ سے واقف ہوئے اور اجازت کے ذریعہ اس کی روایت حاصل کی۔ اسی طرح علی بن عثمان بن الصیرفی (م ۸۴۴ھ) نے حسن بن محمد بن القریشۃ سے اس کی سماعت کی۔ ۲۰؎

– سلیمان بن طرخان التیمی (م ۱۴۳ھ): تابعین میں ثقہ محدث ہیں۔ ان

کا شمار علمائے جرح وتعدیل میں ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کی کتابِ سیرت سے واقف تھے۔ ۲۱؎ ان کی کتاب 'السیرۃ الصحیحۃ' کا مختصر حصہ ہی محفوظ رہ سکا ہے۔ ۲۲؎

–معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ): زہری کے تلامذہ میں سے ہیں۔ یہ بھی ثقہ محدث تھے: ''وہ علم کا ایسا خزانہ تھے جس میں صدق، طلب وتحقیق، تقویٰ و احتیاط ،جلالتِ شان اور حسنِ تصنیف سبھی کچھ تھا۔'' ۲۳؎

–محمد بن اسحق (م ۱۵۱ھ): زہری کے تلامذہ میں ہیں۔ وہ مغازی کے امام تھے، لیکن ان کی مرویات اصولِ حدیث کی رو سے 'صحیح' بلکہ 'حسن' کے درجہ تک نہیں پہنچتیں، کیوں کہ وہ 'مدلّس' ہیں۔ ان کی سیرت 'حسن' اور 'ضعیف' دونوں پر مشتمل ہے۔ ابن عدیؒ کہتے ہیں: ''میں نے ان کی احادیث کی تفتیش کی ہے، ان کے سلسلہ میں ضعف کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ دوسروں کی طرح ہی کبھی کبھی غلطی کرتے ہیں، یا وہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ثقہ اشخاص اور ائمہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

یہ شہادت صرف ابن عدیؒ کے مقام ومرتبہ اور توثیق میں ان کے تشدّد ہی کی وجہ سے عظیم اہمیت کی حامل نہیں ہے، بلکہ اس لیے بھی اہم ہے کہ اس کا مدار روایات کی چھان پھٹک پر ہے، نہ کہ صرف قدیم ناقدین کے اقوال کے نقل پر، جو ابن اسحق پر قدریت، شیعیت، تدلیس اور تصحیف کے اتہام کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ یحییٰ بن سعید اموی نے ان پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے: ''ابن اسحق اسماء میں تصحیف سے کام لیتے ہیں، کیوں کہ انھیں انھوں نے دیوان سے لیا ہے۔'' ۲۴؎ فاطمہ زوجۂ عروہ بن زبیر سے روایت میں ان کے کذب کے احتمال کی بات بھی کہی جاتی ہے، لیکن ان کا کذب ثابت نہیں ہے، کیوں کہ ان پر اتہامات کی تردید امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر بڑے ایمّہ اور ناقدین نے کی ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''اس میں شک نہیں کہ ابن اسحق نے انساب کے بیان میں طوالت سے کام لیا ہے اور لا طائل اشعار پیش کیے ہیں اور ایسے آثار بیان کیے ہیں جو صحت کے درجہ پر فائز نہیں، اسی کے ساتھ اکثر وہ صحیح چیزیں ان سے فوت ہو گئیں جو ان کے پاس موجود نہیں تھیں، لہٰذا ان کی کتاب کی تنقیح وتصحیح کی ضرورت ہے اور ان چیزوں

کوشامل کرنے کی ضرورت ہے جو ان سے فوت ہوگئی ہیں۔"۲۵ ؎ ذہبیؒ نے کہا ہے : "ابن اسحٰق مغازی میں حجت ہیں۔اوران کے مناکیر وعجائب ہیں۔"۲۶ ؎

حافظ ذہبیؒ نے حدیث میں ابن اسحٰق کے مرتبہ کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی تعریف کی ہے۔ لکھتے ہیں: "ان کو بلند مرتبہ حاصل ہے اور یہ ان کے لیے کافی ہے، بالخصوص سیرت میں ۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو وہ، علاوہ ان کے جن میں وہ شاذ ہیں ، صحت کے درجہ سے گری ہوئی ہیں، لہٰذا ان کو منکر سمجھا جاتا ہے۔" ۲۷ ؎

حافظ عراقیؒ نے کہا ہے: "مشہور تو یہ ہے کہ ابن اسحٰق کی حدیث قبول کی جائے گی، لیکن وہ مدلّس ہیں ۔ اگر وہ تحدیث کی صراحت کرتے تو ان کی حدیث مقبول ہوتی۔" ۲۸ ؎

حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں: "میرے سامنے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن اسحٰق حسن الحدیث اور صالح الحال، نیز صادق ہیں۔ جو روایت وہ تنہا کرتے ہیں وہ مجہول ہوتی ہے۔ان کے حافظہ میں کچھ کمی ہے، البتہ ایمّہ ان کی روایات قبول کرتے ہیں۔" ۲۹ ؎ انھوں نے مزید کہا ہے: "ابن اسحٰق علم کے خزانوں میں سے ہیں، مغازی و سیر میں نیک عالم ہیں، حدیث میں وہ ماہر نہیں ہیں، لہٰذا ان کی حدیث صحت کے مرتبہ سے گرگئی ہے، فی نفسہ وہ صادق اور اچھے ہیں۔" ۳۰ ؎

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کہتے ہیں: "جس چیز میں ابن اسحٰق منفرد ہیں اگر چہ وہ صحیح کے درجہ تک نہیں پہنچتی ، اگر وہ تحدیث کی صراحت کر دیتے ہیں تو 'حسن' کے درجہ پر ہیں۔۔۔ جو 'صحیح' اور 'حسن' میں فرق نہیں کرتا وہ ان کو 'صحیح' قرار دیتا ہے اور ہر وہ چیز جو حجت کے لیے مناسب ہے اس کو 'صحیح' کہتا ہے، یہ طریقہ ابن حبان اور ان سب کا ہے جن کا ذکر ان کے ساتھ آتا ہے۔" ۳۱ ؎ اس کے معنٰی یہ نہیں کہ سیرت میں ان کتاب کی ساری مرویات کو صحیح قرار دے دیا جائے۔اس میں 'منکر' اور 'منقطع' روایات بھی ہیں، جیسا کہ ان کے بارے میں حافظ ذہبیؒ کا کہنا ہے: "وہ صالح الحدیث ہیں۔ میرے نزدیک ان کا اس کے علاوہ کوئی گناہ نہیں کہ انھوں نے سیرت میں منکر اور منقطع چیزیں بھی بھر دی

ہیں۔'' ۳۲؎

حافظ ابن حجرؒ نے سیرتِ ابن ہشام کی منقطع احادیث کو ایک مستقل کتاب میں جمع کر دیا تھا، لیکن افسوس کہ وہ ضائع ہو گئی۔ ۳۳؎

ابن اسحٰق سے سیرت کی روایت کرنے والوں میں درج ذیل افراد ہیں: زیاد بن عبد اللہ البکائی (ان کے طریق سے ابن ہشام نے روایت کیا ہے۔)، بکر بن سلیمان (ان کے طریق سے خلیفہ بن خیاط نے تاریخ میں روایت کی ہے۔) اور سلمہ بن الفضل الأبرش (ان کے بارے میں طبری کہتے ہیں: ''خراسان سے بغداد تک کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ابن اسحٰق کا تعلق سلمہ بن الفضل سے تھا۔'' ۳۴؎

–یونس بن بکیر (م ۱۹۵ھ): ابن حجرؒ کی رائے ہے کہ وہ سچے ہیں، لیکن غلطی کرتے ہیں۔ ۳۵؎ ذہبیؒ کی رائے میں وہ حسن الحدیث ہیں۔ مسلمؒ نے 'شواہد' میں ان سے لیا ہے، لیکن 'اصول' میں نہیں۔ بخاریؒ نے 'شواہد' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۳۶؎ جب کہ ابو داؤد السجستانی صراحت کرتے تھے کہ ''وہ حجت نہیں ہیں۔ وہ ابن اسحٰق کے کلام کو لے کر احادیث سے ملا دیتے تھے۔'' ۳۷؎

–ابراھیم بن سعد الزہری (م ۲۸۵ھ): ان کے طریق سے احمد بن محمد بن ایوب صاحب المغازی روایت کرتے ہیں۔ یہ وہ روایت ہے جسے حاکم النیسا پوری نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے۔ ۳۸؎ اور ہارون بن ابی عیسیٰ کہ ابن سعد نے ان کی روایت پر اعتماد کیا ہے۔ اور عبد اللہ بن ادریس الأودی: ان کے طریق سے ابن اسحٰق نے بھی لیا ہے۔ اور یحیٰ بن سعید الأموی، جنھوں نے ابن اسحٰق سے مغازی کا حصول سماع کے ذریعہ کیا اور اس میں اضافہ کیا۔ ۳۹؎ ان کی سیرت کی روایات میں بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن اسحٰق اپنی سیرت میں وقتاً فوقتاً تنقیح کیا کرتے تھے۔

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ یونس بن بکیر ان روایات میں سب سے قدیم ہیں اور بکائی کے پاس وہ نسخہ تھا جس کو ابن اسحٰق نے منقح کیا تھا کہ بکائی کی روایت میں ابن اسحٰق نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو حبشہ کی ہجرتِ دوم کے مہاجرین میں ذکر کیا

ہے۔۴۰؎ جب کہ یونس بن بکیر کی روایت میں ان کو اولین مہاجرین میں شمار کیا گیا ہے۔۴۱؎ اسی طرح بکائی کی روایت میں ہے کہ نجاشی سے مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے گفتگو کی تھی، لیکن یونس بن بکیر کی روایت کے مطابق نجاشی سے گفتگو کرنے والے حضرت عثمان بن عفانؓ تھے اور حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے صرف مترجم کے فرائض انجام دیے تھے، لیکن ابن اسحق نے اس روایت کی صحت کی نفی کرتے ہوئے اس کی تعقیب کی ہے۔۴۲؎

سیرتِ ابن اسحق کی متعدد روایات میں پائے جانے والے اختلافات میں سے یہ بھی ہے، جس کا ذکر ابن اسحق نے یونس بن بکیر کی روایت میں کیا ہے کہ نبی ﷺ نے نجاشی اَصحم کو – جس وقت آپؐ نے ملوکِ ارض کو خطوط بھیجے تھے – اسلام کی دعوت دیتے ہوئے خط بھیجا تھا۔۴۳؎ جب کہ بکائی کی روایت میں اَصحمہ کا ذکر نہیں ہے۔۴۴؎ اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ابن اسحق وقتاً فوقتاً اپنی سیرت کی تنقیح کیا کرتے تھے، کیوں کہ نجاشی اَصحمہ اسلام لے آیا تھا، لہٰذا اس دعوت کا مخاطب کوئی دوسرا نجاشی تھا، جیسا کہ امام مسلمؒ سے ثابت ہے۔۴۵؎

– ابومعشر السندی (م ۱۷۱ھ): مغازی کی وسیع معلومات رکھتے تھے، مگر حدیث میں ضعیف سمجھے جاتے ہیں۔۴۶؎

– عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن حزم المدنی (م ۱۷۶ھ): اپنی کتاب 'المغازی' میں ثقہ محدث ہیں۔۴۷؎

– یحیٰ بن سعید الاموی (م ۱۹۴ھ): ثقہ محدث ہیں۔ انھوں نے بھی مغازی تصنیف کی تھی۔

– ولید بن مسلم الدمشقی (م ۱۹۶ھ): ثقہ محدث ہیں۔

– یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ): سیرتِ ابن اسحق کے راویوں میں ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے مطابق مغازی پر ان کے اضافے بھی ہیں۔۴۸؎

– محمد بن عمر الواقدی (۲۰۷ھ): وہ اپنے علمی مواد کی کثرت کے باوجود

محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔۴۹؎ وہ اکثر ابن اسحٰق کی سیرت پر اضافے کرتے ہیں اور روایات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں اور ان میں ترجیح قائم کرتے ہیں۔۵۰؎ ان کے پاس ایک بڑی لائبریری تھی، جس میں کتابوں کے چھ سو تھیلے تھے، جن کو کرخ سے رصافہ تک منتقل کرنے کے لیے انھیں ایک سو بیس جانوروں کے ضرورت پڑی تھی۔۵۱؎ انھوں نے صرف کتابوں ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ واقعات کی حقیقت کا علم حاصل کرنے کے لیے خود متعلقہ جگہوں پر گئے اور وہاں کا حال بیان کیا۔ عقیدہ اور شریعت کے معاملہ میں ان کی روایات دلیل کے طور پر پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں، لیکن واقعات کی تفصیل کے لیے مفید ہیں، خاص طور پر جب احادیثِ صحیحہ سے ان کا تعارض نہ ہو۔ حافظ ابن حجرؒ — جنھوں نے واقدی کو متروک قرار دیا ہے — کہتے ہیں: ''واقدی اگر اخبارِ صحیحہ اور ان کے علاوہ اہلِ مغازی کی مخالفت نہ کرتے ہوں تو ہمارے اصحاب کے نزدیک وہ مقبول ہیں۔''۵۲؎ حافظ ابن حجرؒ نے مغازی واقدی سے انتخاب کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ فی نفسہ اہلِ علم اور اہلِ مغازی کے نزدیک مصدر ہیں، بہ شرطے کہ اس میں ان کا کسی سے تعارض نہ ہو۔''۵۳؎

واقدی کی مغازی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ ایسے طرق سے روایات بیان تے ہیں جن میں مذکور رجال کا ذکر کتبِ علمِ رجال میں نہیں ملتا۔ جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن کو ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے تو لگتا ہے کہ انھوں نے ان کا انتخاب کیا ہے، کیوں کہ ان روایات کے رجال کا ذکر کتبِ رجال میں ملتا ہے۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ واقدی کی اسانید میں ایسے رجال ہیں جن کی حدیث میں کوئی روایت نہیں ہے، اسی لیے کتبِ رجال نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن کثیرؒ کا رجحان واقدی کے صدق کی طرف ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''واقدی کے پاس اکثر 'حسن' اضافے اور 'محرر' تاریخ ہے۔ وہ اس معاملہ میں بڑے ایمہ میں سے ہیں، فی نفسہ سچے، لیکن بسیار گو ہیں۔''۵۵؎

–محمد بن عائذ الدمشقی (م ۲۲۵ھ): ثقہ محدث ہیں۔ حافظ ذہبیؒ نے کتاب المغازی کا اکثر حصّہ ان سے سنا ہے۔۵۶ اور حافظ ابن حجرؒ نے ان کی مغازی کے منتخب حصّہ کی قراءت کی ہے۔۵۷

–علی بن محمد المدائنی (م ۲۲۵ھ): ابن عدیؒ نے ذکر کیا ہے کہ وہ حدیث میں قوی نہیں ہیں اور عسقلانیؒ نے لسان المیز ان میں (جو ضعیف راویوں کے تراجم کے لیے ہے) ان کا ذکر کیا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے ان کے سلسلہ میں ضعف کی بات کہی ہے۔ لیکن ان کے 'ترجمہ' میں جو وارد ہوا ہے اس کے مطابق اخبار میں ان کی صداقت کا پتہ چلتا ہے۔ طبریؒ کہتے ہیں: ''وہ ایام الناس کے عالم اور اس میں صدوق تھے۔''۵۸ حافظ ذہبیؒ نے لکھا ہے: ''وہ جو کچھ نقل کرتے ہیں اس میں تصدیق کردہ اور عالی ال اِسناد تھے۔''۵۹ المدائنی سیرت کے چند موضوعات کو اپنی کتاب میں نقل کرنے میں منفرد ہیں۔ انھوں نے سیرت کے اجتماعی اور اقتصادی پہلوؤں کا مطالعہ بھی پیش کیا ہے۔ اس کا فقدان علمِ تاریخ اسلامی کا بڑا عظیم خسارہ سمجھا جاتا ہے۔

– صالح بن اسحق الجرمی النحوی (م ۲۲۵ھ): ''حدیث اور اخبار میں جلیل القدر تھے۔ سیرت میں ان کی کتاب بہت خوب ہے۔''۶۰

–اسماعیل بن جمیع (م ۲۲۷ھ): ان کی کتاب کا نام 'أخبار النبی و مغازیہ و سرایاہ' ہے۔۶۱

– سعید بن یحییٰ بن سعید الأموی (م ۲۴۹ھ): ثقہ محدث ہیں۔ انھوں نے بھی مغازی تصنیف کی ہے۔۶۲

– احمد بن حارث الخزّاز (م ۲۵۸ھ): ان کی کتاب 'مغازی النبی و سرایاہ وأزواجہ' کے نام سے ہے۔

–عبدالملک بن محمد الرقاشی البصری (م ۲۸۶ھ): ان کی کتاب کا نام 'المغازی' ہے۔ وہ سچے ہیں، لیکن غلطی کرتے ہیں۔

– ابراہیم بن اسماعیل العنبری الطوسی (م ۲۸۰ھ): ان کی کتاب بھی 'المغازی' کے نام سے ہے۔

– ابراہیم بن اسحق القاضی (۲۸۲ھ): ان کی کتاب بھی 'المغازی' کے نام سے ہے۔

کتبِ تراجم میں متعدّد تابعین اور تبع تابعین کا ذکر ہے، جو علمِ سیرت سے شغف رکھتے تھے۔ مثلاً عکرمہ مولیٰ ابن عباس – جن کے بارے میں طحاوی کا کہنا ہے کہ ''مغازی کے اخبار عکرمہ مولیٰ ابن عباس اور زہری کے ارد گرد گھومتے ہیں۔''[۶۳] اور یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ المدنی (م ۱۲۸ھ)، داؤد بن الحسین الأموی (م ۱۳۵ھ) اور عبدالرحمن بن عبدالعزیز التحنیفی (م ۱۶۲ھ) اور محمد بن صالح بن دینار (م ۱۶۸ھ) اور عبد اللہ بن جعفر المخرمی المدنی (م ۱۷۰ھ)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی تالیفات کا ذکر تو نہیں ملتا، البتہ سوانح نگاروں نے سیرت پر ان کے اہتمام اور توجہ کا ذکر کیا ہے۔ [۶۴]

یہ سیرت نگاری کی اوّلین شخصیتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر کے بارے میں ناقدینِ حدیث کی توثیق ان کے ضبط و عدالت پر دلالت کرتی ہے۔ علماء نے یہی دونوں شرطیں راویوں کی توثیق کے لیے مقرر کی ہیں۔ اب اگر محدثین کے نزدیک یہ لوگ ثقہ ہیں تو یہ توثیق سیرت کی ان تحریروں کو عظیم علمی مرتبہ عطا کرتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیرتِ نبوی کو ضیاع، تحریف اور مبالغہ آمیزی سے محفوظ رکھا ہے کہ اس کے واسطے کھرے کھوٹے کی پرکھ رکھنے والے ایسے ناقدین مہیا کیے، جنھوں نے اس پر اپنی انتہائی توجہات صرف کیں اور مؤرخین وقصہ گو لوگوں کے قلم چلنے سے پہلے ہی اس کے اولین بنیادی اصول وضع کر دیے۔ یہ کتبِ سیرت کی وہ خصوصیت ہے جو تاریخ واخبار کی کتابوں کو نصیب نہیں۔ یہ صفت سیرت کو اس لیے حاصل ہوئی کہ اس کو امانت دار محدثین میسر آئے اور اس کے علماء نے سنداً ومتناً نقدِ روایات کے واضح مناہج مرتب کیے اور ایسا اسلوب اپنایا جو سنجیدگی واخلاص سے پُر اور حشو ومبالغہ سے پاک ہے۔

دست یاب اہم مصادرِ سیرت

یہ سچ ہے کہ جن شخصیات کی کتبِ سیرت کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان میں سے بیش تر مفقود ہیں، لیکن جو مصادر جو ہم تک پہنچے ہیں وہ سب کے سب انھی مذکورہ تصنیفات سے مستفاد ہیں اور ان میں کثرت سے ان کی اسانید کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعد کی کتابوں کی اساس وہی اولین تصنیفات ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، نہ صرف مواد کے معاملے میں، بلکہ اندازِ پیش کش میں بھی۔

سیرتِ نبوی کے ممتاز ترین مصادر، جو ہم تک پہنچے ہیں، درج ذیل ہیں:

سیرتِ ابن ہشام: یہ سیرتِ ابن اسحق کی 'تہذیب' ہے۔ ابن ہشام نے اس میں سے اکثر اسرائیلیات اور منحول اشعار کو حذف کر دیا ہے اور اس میں لغت و انساب سے متعلق معلومات کا اضافہ کیا ہے۔ اس کتاب کو جمہور علماء کی جانب سے مقبولیت حاصل ہوئی اور بعد کی تالیفات اسی کی اساس پر وجود میں آئیں۔ حق یہ ہے کہ اس کی مغازی حیاتِ رسول ﷺ کی جو تصویر پیش کرتی ہیں وہ بڑی حد تک وہی تصویر ہے جس کو کتبِ حدیث میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات آپؐ کی سیرت کو بڑی حد تک توثیق عطا کرتی ہے۔ سیرتِ ابن ہشام کی شرح حافظ سہیلی (م ۵۸۱ھ) نے اپنی کتاب 'الروض الأنف' (مطبوعہ) میں پیش کی ہے۔

طبقات ابن سعد: ابنِ سعد (م ۲۳۰ھ) کی 'الطبقات الکبریٰ' کی اولین دو جلدیں سیرت کے لیے مخصوص ہیں۔ خطیب بغدادی اور عسقلانی کے مطابق ابن سعد ثقہ ہیں اور اپنی بہت سی روایات میں تحقیق کرتے ہیں، لیکن واقدی جیسے ضعیف راویوں سے بھی کثرت سے نقل کرتے ہیں، حتیٰ کہ ابن الندیم نے ان پر سرقہ کا الزام لگایا ہے۔ مگر تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سعد ایسے مؤلف ہیں جس کا اپنا منہج ہے۔ واقدی سے انھوں نے اسی طرح نقل کیا ہے جس طرح دوسرے شیوخ سے کیا ہے، جن میں نمایاں نام عفان بن مسلم، عبید اللہ بن موسیٰ اور فضل بن دکین ہیں اور ان تینوں کا شمار ثقہ محدثین میں ہوتا ہے۔[۶۵] حافظ ذہبیؒ نے کہا ہے: ''ان (یعنی واقدی) کے کاتب نے ان سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ غیر کی ان سے روایت کے مقابلہ میں کسی قدر افضل ہے۔''[۶۶]

تاریخ خلیفہ بن خیاط: خلیفہ بن خیاط (م ۲۴۰ھ) ثقہ محدث ہیں ۔ ان کا شمار امام بخاری کی صحیح میں ان کے شیوخ میں ہوتا ہے ۔ان کی کتاب (تاریخ خلیفہ بن خیاط) عام تاریخ کی کتاب ہے، جس کی ابتدا میں اولین درجہ میں ابنِ اسحق پر اعتماد کرتے ہوئے سیرت کے واقعات کومختصراً بیان کیا گیا ہے۔ ۶۷ ۔

انساب الأشراف: احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) کی 'أنساب الأشراف' نسب پر مرتب کردہ عام تاریخ کی کتاب ہے۔اس کے قسم اول کو بلاذری نے سیرت کے لیے مخصوص کیا ہے ۔محدثین بلاذری کو ضعیف قرار دیتے ہیں، چنانچہ عسقلانی نے اپنی تالیف 'لسان المیز ان' میں ضعفاء کے ضمن میں ان کا ذکر کیا ہے۔

تاریخ طبری: محمد بن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) کی 'تاریخ الرسل و الملوک' کے ایک حصے کوسیرت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔طبری ثقہ ہیں۔اوّلین درجہ میں انھوں نے ابن اسحق پر اعتماد کیا ہے۔طبری کا منہج یہ ہے کہ وہ صحت وضعف کے اعتبار سے روایات کی تنقید کا اہتمام نہیں کرتے، بلکہ اسانید کے ساتھ ان کا ذکر کرنے کے بعد تحقیق وترجیح کی ذمہ داری قاری پر ڈال دیتے ہیں۔ ۶۸ ۔

الدرر فی اختصار المغازی و السیر: ابن عبد البر القرطبی (م ۴۶۳ھ) کا شمار اپنے زمانہ کے معروف محدثین میں ہوتا ہے۔انھوں نے اپنی کتاب 'الدرر فی اختصار المغازی والسیر' کی تالیف میں کتبِ حدیث ۶۹ کے ساتھ سیرتِ ابنِ اسحق ،سیرتِ موسیٰ بن عقبہ اور تاریخ ابن أبی خیثمہ پر اعتماد کیا ہے اور صرف ایک جگہ واقدی سے نقل کرنے کی تصریح کی ہے ۷۰ ۔لیکن انھوں نے اپنی مغازی میں ان سے روایت کرنے کی جانب اشارہ کیا ہے ۷۱ ۔اور کتاب کی عام ترتیب میں ابن اسحق کی متابعت کی صراحت بھی کی ہے۔ ۷۲ ۔

جوامع السیرۃ: ابن حزم ظاہری (م ۴۵۶ھ) نے 'جوامع السیرۃ' کے نام سے کتاب تالیف کی ہے۔انہوں نے اسانید چھوڑ دی ہیں اور مصادر کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے ۷۳ ۔انھوں نے روایات کے درمیان ترجیح قائم کی ہے اور اپنی منتخب کردہ اشیاء کو

ثابت کیا ہے، نیز واقعات کی تاریخ میں تحقیق سے کام لیا ہے ۷۴۔ ان پر تلخیص کا غلبہ ہے، لہٰذا انھوں نے سیرت سے اشعار و قصص کو علیٰحدہ کرنے کا عمل بھی انجام دیا ہے۔ ۷۵

الکامل فی التاریخ: ابن الأثیر الجزری (م ۶۳۲ھ) ثقہ مؤرخ ہیں۔ ان کی کتاب 'الکامل فی التاریخ' عام تاریخ کی کتاب ہے، جس میں ایک حصے کو سیرت کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔

عیون الأثر: ابن سیّد الناس (م ۷۳۴ھ) ثقہ محدث ہیں۔ ذہبیؒ اور ابن کثیرؒ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب 'عیون الأثر فی فنون المغازی و السیر' میں ماقبل کتبِ مغازی سے نقل کرنے کے ساتھ کثرت سے کتبِ حدیث سے بھی نقل کیا ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں انہوں نے اپنے مصادر کا ذکر کر دیا ہے۔

زاد المعاد: ابن قیّم الجوزیۃ (م ۷۵۱ھ) کا شمار بھی اپنے زمانہ کے علماء اَعلام میں ہوتا ہے۔ ان کی کتاب 'زاد المعاد فی ھدی خیر العباد' شمائل، آداب، فقہ اور مغازی کا حسین گلدستہ ہے۔

السیرۃ النبویۃ: حافظ ذہبی (م ۷۴۸ھ) بھی ایک ثقہ مؤلف ہیں۔ ان کو عمدہ قسم کی تنقیدی عقلیت اور بالخصوص محدثین کے قواعدِ نقد کے استعمال کا ملکہ حاصل ہے۔ اپنی کتاب 'السیرۃ النبویۃ' میں انھوں نے بعض روایات پر نقد بھی کیا ہے۔

البدایۃ والنھایۃ: ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) کا شمار ثقہ اور محقق ایمّہ میں ہوتا ہے۔ ذہبیؒ، عسقلانیؒ اور ابن العماد الحنبلیؒ نے ان پر اعتماد کیا ہے۔ ان کی کتاب 'البدایۃ والنھایۃ' ایک عام تاریخ ہے، جس کا ایک حصّہ سیرت کے لیے مخصوص ہے۔

امتاع الاسماع: مقریزی (م ۸۴۵ھ) بھی ثقہ ہیں۔ انھوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے اپنی کتاب 'امتاع الاسماع' میں اسناد کو چھوڑ دیا ہے۔ سخاویؒ کا اس کتاب کے بارے میں کہنا ہے: ''اس میں بہت سی قابلِ تنقید باتیں ہیں۔'' ۷۶

المواھب اللدُنّیۃ: احمد بن محمد القسطلانی (م ۹۲۳ھ) کی کتاب کا نام

'المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ' ہے۔ محمد بن عبد الباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) نے اس کی شرح کی ہے۔

السیرۃ الحلبیۃ: برہان الدین الحلبی (م ۸۴۱ھ) کی کتاب کا نام 'السیرۃ الحلبیۃ' ہے۔ اس میں اسرائیلی قصے اور حشو و زوائد ہیں۔ ۷۷؎

سبل الھدیٰ و الرشاد: محمد بن یوسف الدمشقی الشامی (م ۹۴۲ھ) نے سیرت پر ایک تالیف کی ہے، جس کا نام 'سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد' ہے۔ اس کتاب میں مؤلف نے تین سو سے زائد کتابوں سے انتخاب کیا ہے۔

یہ ہیں وہ اہم مصادرِ سیرت جو ہم تک پہنچے ہیں۔ ان کا درجہ قرآن کریم اور حدیثِ نبوی کے بعد ہے۔ لیکن اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ جو کچھ کتبِ سیرت میں مذکور ہے صحت کے اعتبار سے ان سب کی یکساں قدر و قیمت ہے، بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ سب صحیح ہوں۔ ان میں ضعیف بھی ہے اور صحیح بھی۔ سیرت کے مطالعہ کے وقت اوّلاً صحیح پر اعتماد کرنا چاہیئے، پھر اس کی تکمیل کے لیے 'حسن' یا 'قریب الحسن' سے مدد لینی چاہیئے۔ عقائد اور تشریعی امور میں 'ضعیف' کا سہارا نہیں لینا چاہیئے، ہاں اخبار کے سلسلہ میں، مثلاً مکارمِ اخلاق پر آمادہ کرنے کے لیے یا عمرانیات، صناعات اور کاشت کاری وغیرہ کے بیان کے لیے ان کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے۔ ان سے صرف اس وقت مدد لینی چاہیے جب قوی روایات موجود نہ ہوں۔

محدثین نے اسی منہج کی اتباع کی ہے۔ عبد الرحمن بن مہدی (م ۱۹۷ھ) کا قول ہے: ''جب ہم نبی ﷺ سے حلال، حرام اور احکام میں روایت کرتے ہیں تو اسانید میں شدّت اختیار کرتے ہیں اور رجال کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب میں کچھ روایت کرتے ہیں تو اسانید میں نرمی برتتے ہیں اور رجال کے سلسلہ میں تسامح سے کام لیتے ہیں۔'' ۷۸؎

سیرت میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس کی اسانید و متون کی محدثین کے قواعد کے مطابق تحقیق و تمحیص کی جائے۔ اس عمل میں اس بات سے مدد ملے گی کہ

تمام اہم مصادرِ سیرت نے اسانید کو بھی بیان کیا ہے اور سیرت کی روایت کرنے والوں میں ان محدثین کی اکثریت ہے جن کا ذکر کتبِ رجال نے کیا ہے اور ان کے احوال کی وضاحت کی ہے، نیز ان کے سلسلہ میں جرح وتعدیل کو بھی بیان کیا ہے۔

بعض لوگ اس منہج کو استعمال نہیں کر پاتے، اس لیےکہ اس میں خاصی جہد و مشقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ رجال کی معرفت اور ان کے احوال کی تفتیش و تحقیق ایک محنت طلب کام ہے، پھر علومِ حدیث میں ان کی عدم مہارت اور نقدِ تاریخی میں ان کی تطبیق کی مناسب صلاحیت کا نہ ہونا بھی اس کا سبب ہے۔ کچھ دوسرے لوگ اس منہج سے تغافل برتتے ہیں، اس کی حق تلفی کرتے، اس کی افادیت کی ناقدری کرتے اور اس کی قدر و قیمت میں شکوک وشبہات پیدا کرکے اس پر مختلف قسم کے الزامات عائد کرتے ہیں۔

بلا شبہ یہ تمام لوگ اس کی حقیقت سے نابلد ہیں۔ اسد رستم نے، جو ایک غیر متعصب عیسائی ہے، نقد میں مناہج محدثین کی قدر و قیمت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی کتاب 'مصطلح التاریخ' میں اس میدان میں محدثین کی سبقت اور ابتکار و جدّت کو سراہا ہے۔ مطالعۂ سیرت، بلکہ عام تاریخِ اسلامی کے مطالعہ میں بھی تنقید کے حدیثی منہج کو ہی اپنایا جانا چاہئے۔ سیرت کا تعلق چوں کہ عقیدہ، شریعت اور شخصیت کی تشکیل سے ہے، لہٰذا اس میدان میں تحقیق و تدقیق اہم اور اولیٰ ہے، ساتھ ہی عہدِ خلفائے راشدین اور اموی و عباسی ادوار کی تاریخ کے مطالعہ میں بھی اس منہج کے استعمال کی شدید ضرورت ہے، کیوں کہ اول تو اس پر تاریخی روایات پیش کرنے والوں کی خواہشات کے اثرات کا غلبہ ہے، دوسرے حق و باطل آپس میں اس قدر خلط ملط ہو گئے ہیں کہ ان میں تمیز کرنا ماہرینِ رجال، علمائِ جرح وتعدیل اور رجال کے رجحانات و عقائد کی معرفت رکھنے والوں ہی کا کام ہے۔ ان کے سوا دوسروں کے لیے انتہائی مشکل امر ہے۔ تاریخ کی کتابیں ایسے لوگوں کے بیانات و اقتباسات سے پُر ہیں جن کے اپنے مختلف سیاسی و مذہبی رجحانات ونظریات ہیں، چنانچہ اگر مثال کے طور پر عہد اموی کی صورت گری صرف ابومخنف کی مرویات کی بنا پر کی جائے تو وہ عوانۃ بن الحکم یا ابو الیقظان النسابۃ کی مرویات کی بنا پر تشکیل دی جانے والی صورت سے قطعاً مختلف ہوگی۔

دیگر تکمیلی مصادر

مصادرِ تکمیلیہ وہ مصادر ہیں جن کا درجہ قرآن کریم، حدیثِ نبوی اور معتبر و اہم کتبِ سیرت کے بعد آتا ہے۔ یہ تصویر کے نقوش کی تکمیل کرتے ہیں اور بعض ان خالی جگہوں کو پُر کرنے کا کام انجام دیتے ہیں جو مصادر اصلیہ کی شرط پوری کرنے کے بعد بھی رہ جاتی ہیں۔

کتبِ ادب عہدِ سیرت میں ثقافتی زندگی، معیشت کے معیار، لباس و طعام، عادات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ بالخصوص شاعری اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، جس سے اس وقت کی عقلی اور اجتماعی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں معرکوں اور شجاعت و جواں مردی کے واقعات کی منظر کشی بھی ملتی ہے۔ بعض واقعاتِ سیرت کی تصویر کشی میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ کے کردار کی جانب اشارہ کافی ہے۔ لیکن ملحوظ خاطر رہے کہ کتبِ ادب کی توجہ واقعاتِ زندگی کو ترتیب وار پیش کرنے سے زیادہ 'شاذ' اور 'غریب' پر رہتی ہے، لہٰذا ان کتب کے عام مشتملات کی نزاکت و سنگینی کو بہر حال پیشِ نظر رکھا جانا چاہیئے۔

کتبِ معرفتِ صحابہ اس نسل کے تذکروں پر مشتمل ہوتی ہیں جو عہدِ سیرت میں موجود تھی۔ یہ کتب معتبر تاریخی معلومات پیش کرتی ہیں، اگر چہ یہ متفرق اور قلیل ہیں۔ بعض کتب میں انساب کا ذکر ہے اور بعض میں اخبار کا۔ باقی کتبِ تراجم و رجال (مع کتبِ معرفتِ صحابہ رضی اللہ عنہم) کتبِ سیرت کے رجالِ اسانید کے بارے میں معلومات فراہم کرتی ہیں۔

کتبِ جغرافیہ جزیرۂ عرب کے نشیب و فراز پر روشنی ڈالتی ہیں جہاں واقعاتِ سیرت پیش آئے۔ اسی طرح یہ کتب معیارِ معیشت اور زراعتی پیداوار کی وضاحتیں کرتی ہیں، نیز مقامات کے درمیان کی مسافتوں کی تعیین کرتی اور قبائل اور خانوادوں کی تقسیم کی وضاحت کرتی ہیں۔

یوں مصادرِ تکمیلیہ سیرت کے اطراف و جوانب کی تکمیل کرتی اور اس کی تفصیلات و اوصاف کو نمایاں کرتی ہیں۔

یوروپی فکر نے طبیعتِ تاریخ اور اس کے مناہج نقد و تشریح کے موضوع پر مطالعات کا بڑا ذخیرہ پیش کیا ہے، جس میں سے بعض کے عربی تراجم بھی ہوئے ہیں ۷۹۔ لیکن یہ تمام مطالعات مغربی نقطۂ نظر کی عکّاس ہیں اور ان کا منبع یورپی فلسفۂ حیات، یورپی تاریخ کا مزاج اور اس کے مطالعہ کے مسائل ہیں اور اس کی تطبیقات اسی (تاریخ) سے ماخوذ ہیں۔ ہم کو اسی کے معیار کے مطابق ایسے مطالعات کی ضرورت ہے جن کا منبع ہمارا عقیدہ ہو اور جو ہماری تاریخ سے ہم آہنگ ہوں اور انھیں مغربی نقطۂ نظر سے نہ پیش کیا گیا ہو۔

یہاں یہ اشارہ کرنا مناسب ہوگا کہ بعض عرب مسلم اسکالرز نے اس موضوع پر ابتدائی مطالعات رقم کیے ہیں ۸۰ اور اس حوالہ سے مفید تصورات پیش کیے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس میدان میں مسلسل مشترکہ کوششیں بحث و تحقیق کے کامل منہج اور تاریخ اسلامی کی تعبیر و تشریح کے بارے میں صحیح اسلامی سرچشموں سے ایک جامع نظریہ تک پہنچائیں گی۔

حواشی و مراجع:

۱۔ ابوریہ نے اپنی کتاب 'أضواء علی السنۃ المحمدیۃ' میں یہ غلطی کی ہے۔ مصطفی السباعی نے اپنی کتاب 'السنۃ و مکانتھا فی التشریع الاسلامی' میں اس پر نقد کیا ہے۔ (ملاحظہ کیجیے ص ۲۹۳–۲۹۴) جواد علی نے اسپرنگر اور کایتانی (مستشرقین) پر نقد کیا ہے کہ انھوں نے مطالعاتِ سیرت میں تشکیک پیدا کرنے کے لیے 'شاذ'، 'غریب' اور 'ضعیف' نیز روایات متاخرہ پر اعتماد کیا ہے، اور ان کو معتبر روایات پر مقدم رکھا ہے۔ (دیکھئے جواد علی، تاریخ العرب فی الاسلام، السیرۃ النبویۃ، ص ۹–۱۱)

۲۔ محمد عزت دروزہ نے اپنی کتاب 'سیرۃ الرسول' میں سیرت سے متعلق آیاتِ قرآنیہ کا تجزیہ کیا ہے۔

۳۔ غزوۂ بدر کی تفصیلات سورۂ انفال میں، غزوۂ احد کی تفصیلات سورۂ آل عمران میں، غزوۂ خندق کی تفصیلات سورۂ احزاب میں اور غزوۂ حنین کی تفصیلات سورۂ توبہ میں ملتی ہیں۔ مزید برآں دوسری سورتوں میں بھی ان غزوات کی جانب اشارے ملتے ہیں۔

۴۔ فکری کش مکش کے بارے میں سورۂ بقرۃ اور مادی کش مکش کے بارے میں سورۂ حشر اور سورۂ احزاب دیکھیں۔

۵۔ الدوری، نشأۃ علم التاریخ عند العرب، ص ۱۵۔ ۱۸

۶۔ صالح العلی، محاضرات فی تاریخ العرب قبل الاسلام (فصل: المصادر)

۷۔ صبحی صالح، علوم الحدیث، ص ۱۵۔۱۶ ۸۔ مقدمہ تفسیر ابن کثیر

۹۔ صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ نے بنی المصطلق پر اچانک بغیر انہیں متنبہ کیے حملہ کردیا۔ یہ بات آپؐ کے منہج، جو آیتِ کریمہ وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَومٍ خِيَانَةً فَانبِذ إِلَيهِم عَلَى سَوَاءٍ پر مبنی تھا، کے مخالف ہے، جب کہ کتبِ سیرت وضاحت کرتی ہیں کہ آپؐ نے بنی المصطلق کو حملہ کرنے سے پہلے متنبہ کردیا تھا۔ اب اگر ہم صحیحین کی روایت پر اکتفا کرتے ہوئے دشمن کو متنبہ کرنے کے سلسلہ میں اسلام کے حکم کی تحقیق نہ کریں تو بڑی غلطی اور التباس کا شکار ہوجائیں گے۔

۱۰۔ سیر أعلام النبلاء، ۶/۱۱۶ ۱۱۔ دیکھئے: الفہرست، ص ۲۷۲

۱۲۔ ابن سعد، ۵/۲۹۲، مسند احمد ۲/۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۴، ۲۰۴، ۲۰۷، ۲۲۲

۱۳۔ تاریخ سیرت نگاری کے جامع مطالعات کے لیے ملاحظہ کیجئے: ہاروٹز: المغازی الأولی و مؤلفوھا، مارگولیتھ: دراسات عن المؤرخین العرب، عبدالعزیز الدوری: نشأۃ علم التاریخ عند العرب اور صالح العلی کی محاضرات فی تاریخ العرب قبل الاسلام کی خاص فصل، جواد علی: تاریخ العرب قبل الاسلام کی فصل السیرۃ النبویۃ، سیدہ اسماعیل کاشف: دراسۃ فی مصادر التاریخ الاسلامی، مارسدن جونس: مغازی الواقدی پر مقدمہ، حسین نصار: نشأۃ التدوین التاریخی عند العرب۔ اس کے علاوہ بعض اصحابِ

مغازی پر خصوصی تحقیقی مطالعات بھی سامنے آئے ہیں۔ مثلاً الدوری کا مقالہ: دراسۃ فی سیرۃ النبی ﷺ ومؤلفھا ابن اسحق، انگریزی زبان میں FUCK کا محمد بن اسحق پر مقالہ، خالد العسلی کا علی المدائنی پر مقالہ اور اکرم عمری کا موسیٰ بن عقبہ کے بارے میں مقالہ۔ بقیہ اصحابِ مغازی پر تحقیقی کام کی ضرورت ہنوز باقی ہے۔

۱۴۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۴/ ۳۲۱–۳۲۲   ۱۵۔ حوالۂ سابق، ۹/ ۲۲۵

۱۶۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء ۶/ ۱۱۵   ۱۷۔ حوالۂ سابق ۶ ۳ ۱۱۷

۱۸۔ خطیب، الجامع لأخلاق الراوی وآداب الجامع، ص ۲۲۵

۱۹۔ سیر اعلام النبلاء، ۶/ ۱۱۵–۱۱۶   ۲۰۔ ابن فہد، معجم الشیوخ، ص ۱۷۵

۲۱۔ ابن حجر، فتح الباری: ۱/ ۲۳، ۷/ ۴۹۷، ۸/ ۱۱۷

۲۲۔ اس کو وان کریمر نے ہندوستان سے کتاب المغازی کے آخر میں شائع کیا ہے۔ یہ حصہ ۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۳۔ سیر اعلام النبلاء، ۷/ ۶   ۲۴۔ عسکری، تصحیفات المحدثین، ۱/ ۲۶

۲۵۔ حوالۂ سابق، ۱/ ۱۱۶   ۲۶۔ علی الغفار، العلو، ص ۳۹

۲۷۔ سیر اعلام النبلاء، ۷/ ۱۴۱   ۲۸۔ عراقی، طرح التثریب شرح التقریب، ۸/ ۷۲

۲۹۔ ذہبی، میزان الاعتدال، ۳/ ۴۷۵   ۳۰۔ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ۱/ ۱۷۳

۳۱۔ فتح الباری، ۱۱/ ۱۶۳   ۳۲۔ میزان الاعتدال، ۱۱/ ۴۶۹

۳۳۔ عنوان المجد، ۱/ ق ۵۱   ۳۴۔ تہذیب التہذیب، ۴/ ۱۵۴

۳۵۔ ابن حجر، تقریب التہذیب، ۲/ ۳۸۴۔ اس میں کلمہ ’صدوق‘ ساقط ہو گیا ہے، لیکن پاکستانی ایڈیشن میں موجود ہے، دیکھئے ص ۳۴۰

۳۶۔ تہذیب التہذیب، ۱۱/ ۴۳۴–۴۳۵   ۳۷۔ میزان الاعتدال، ۴/ ۴۷۸

۳۸۔ حاکم المستدرک، ۳/ ۱۲۸   ۳۹۔ خطیب، تاریخ بغداد، ۱۴/ ۱۳۳

۴۰۔ سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۵۸

۴۱۔ ابن اسحق، السیر والمغازی، تحقیق: سہیل زکار، ص ۱۷۶، ۲۲۸

۴۲۔ حوالۂ سابق، ص ۲۱۸ ۴۳۔ سیرتِ ابن اسحق، تحقیق: محمد حمید اللہ، ص ۲۱۰

۴۴۔ سیرتِ ابن ہشام، ۴/ ۲۷۹ ۴۵۔ صحیح مسلم، ۳/ ۱۷۹۷

۴۶۔ رجوع کیجئے: ابن حبان، المجروحین، ۳/ ۶۰، التاریخ الکبیر للبخاری، ۸/ ۱۱۴، تاریخ بغداد، ۱۳/ ۲۷۴، سیر أعلام النبلاء، ۷/ ۴۳۵–۴۴۰، تہذیب التہذیب ۱۰/ ۴۲۰–۴۲۱

۴۷۔ ابن الندیم، الفہرست، ص ۲۸۲ ۴۸۔ ابن حجر، الاصابۃ، ۱/ ۲۴۲

۴۹۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۲۱

۵۰۔ نشأۃ علم التاریخ عند العرب، ص ۳۱، مارسدن جونسن، مقدمۃ مغازی الواقدی، ص ۳۴

۵۱۔ تاریخ بغداد، ۳/ ۵–۶ ۵۲۔ ابن حجر، التلخیص الحبیر، ۲/ ۲۹۱

۵۳۔ ابن حجر، منتقی من مغازی الواقدی، ق ۸۳ ب

۵۴۔ سیر أعلام النبلاء، ۹/ ۴۵۴۔ ۴۶۹

۵۵۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۳/ ۲۳۴ ۵۶۔ سیر أعلام النبلاء، ۱۱/ ۶

۵۷۔ ابن حجر، لسان المیزان، ۴/ ۲۵۳ ۵۸۔ حوالۂ سابق، ۴/ ۲۵۳

۵۹۔ سیر أعلام النبلاء، ۱۰/ ۴۰۰–۴۰۱ ۶۰۔ تاریخ بغداد، ۹/ ۳۱۴

۶۱۔ الفہرست، ص ۱۱۲ ۶۲۔ سیر أعلام النبلاء، ۹/ ۱۳۹

۶۳۔ طحاوی، شرح معانی الآثار، ۳/ ۳۱۲

۶۴۔ ان شخصیات کے تراجم کے لیے دیکھئے: الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم، ۲/ ۲۶۰، تاریخ بغداد، ۱۲/ ۲۳۰ تہذیب التہذیب، ۸/ ۶۳–۶۷، ۵/ ۱۷۲، ۶/ ۳۸۸، ۱۱/ ۲۹۳ اور تاریخ التراث العربی ۲/ ۴۵۶

۶۵۔ اکرم ضیاء العمری، بحوث فی تاریخ السنۃ المشرفۃ، ص ۵۶۔ ۵۷

۶۶۔ سیر أعلام النبلاء، ۹/ ۴۶۴

۶۷۔ اکرم ضیاء العمری: مقدمۃ تاریخ ابن خلیفۃ بن خیاط، ص ۲۶۔ ۲۷

۶۸۔ طبری، تاریخ الرسل والملوک (ط: ابوالفضل ابراھیم)، ۱/ ۸

۶۹۔ شوقی ضیف: مقدمۃ کتاب الدرر، ص ۸ ۷۰۔ ابن عبد البر، الدرر، ص ۳۹

۷۱۔ حوالۂ سابق، ص ۲۷۶

۷۲۔ حوالۂ سابق، ص ۲۹، نیز دیکھئے: شوقی ضیف، مقدمۃ کتاب الدرر، ص ۱۲

۷۳۔ انہوں نے تین مقامات پر خلیفہ بن خیاط، تین مقامات پر تاریخ ابی حسان الریادی اور ایک مقام پر ابن عبد البر کی 'الدرر فی اختصار المغازی والسیر' سے نقل کرنے کی صراحت کی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں محققین کی رائے ہے کہ انھوں نے قطع و برید اور تصرف کے ساتھ الدرر سے کافی کچھ نقل کیا ہے۔ دیکھئے جوامع السیرۃ، المقدمۃ، ص ۸، الدرر ص ۱۵

۷۴۔ جوامع السیرۃ، مقدمہ، ص ۱۰

۷۵۔ حوالۂ سابق: ص ۱۳

۷۶۔ السخاوی، الاعلان بالتوبیخ 'ملحق علم التاریخ عندالمسلمین' لروزنتال، ص ۳۰

۷۷۔ جواد علی، تاریخ العرب قبل الإسلام، السیرۃ النبویۃ، ص ۱۰

۷۸۔ فتح المغیث، ۱/ ۲۸۴

۷۹۔ مثلاً (۱) کولنوود: فکرۃ التاریخ۔ ادوردکار: ماھو التاریخ؟ أ۔ل۔ راوس: التاریخ أثرہ و فائدتہ۔ فردریک انجلز: التفسیر الاشتراکی للتاریخ، انجلو اوسینیبوس: النقد التاریخی۔ آرنست کاسیرر: فی المعرفۃ التاریخیۃ۔ جوزف ہاروس: قیمۃ التاریخ۔ ایمری نف: المؤرخون وروح الشعر۔

۸۰۔ ملاحظہ کیجئے: سید قطب: فی التاریخ فکرۃ ومنھاج۔ فتحی عثمان: أضواء علی التاریخ الإسلامی۔ عبد الرحمن الحجی: نظرات فی دراسۃ التاریخ الإسلامی۔ عماد الدین خلیل: التفسیر الإسلامی للتاریخ۔ عبد الحمید صدیقی: تفسیر التاریخ۔

تعارف وتبصرہ

اسماء حسنیٰ — ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

ناشر: یونیورسل بک ہاؤس، علی گڑھ ۲۰۱۷ء، صفحات: ۱۸۴، قیمت ۔/۲۵۰ روپے

زیر نظر کتاب 'اسماء حسنیٰ' ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی صاحب (استاذ شعبۂ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) کی علمی کاوش ہے۔ اس میں اللہ کے ننانوے ناموں (اسماء حسنیٰ) کو جمع کیا گیا ہے، جو قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ مصنف نے لفظ 'اللہ' کو شامل کرتے ہوئے پورے سو (۱۰۰) اسماء کی تشریح کی ہے۔ مقدمہ میں انھوں نے اسماء حسنیٰ پر بحث کی ہے، جس سے تمام متعلقہ بحثیں مربوط ہوگئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلِلّٰہِ الأَسْمَاء الْحُسْنَی فَادْعُوہُ بِہَا** الاعراف: ۱۸۰ (اللہ کے بہت سے اچھے نام ہیں، ان کے ذریعے اسے پکارو۔) اس آیت کو بنیاد بنا کر یہ کتاب تالیف کی گئی ہے اور اسماء حسنیٰ کی تشریح وتوضیح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مصنف نے اپنی بحثوں میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کیے ہیں۔ مثلاً اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنی امت کو اللہ کے ناموں پر اپنے ناموں کو رکھنے کی ترغیب دی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: **أَحَبُّ الأَسْمَائِ اِلَیٰ اللّٰہِ عَبْدُ اللّٰہِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ** (ابوداؤد: ۴۹۴۹) "اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمن ہیں۔" اسی طرح بعض احادیث میں کہا گیا ہے کہ اسم اعظم کے ساتھ دعا کرنے سے وہ قبول ہوتی ہے۔

مصنف نے تشریح وتوضیح کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی ہے، پھر ایک ایک نام کی تشریح کی ہے۔ وہ سب سے پہلے اس نام کو قرآن کریم سے ثابت کرتے ہیں کہ اس کا ذکر قرآن کی کس سورت اور کس آیت میں آیا ہے؟ کتنی مرتبہ آیا ہے؟ اس کے بعد اس کے لغوی معنیٰ بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کی تشریح کرتے ہیں اور ضرورت کے مطابق قرآن وحدیث کے حوالے بھی پیش کرتے ہیں۔ آخر میں انسانی زندگی پر اسم الٰہی کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر اسم 'السلام' کے بارے میں وہ سب سے پہلے قرآن کی آیت '**الْمَلِکُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ**(الحشر: ۲۳)

کو پیش کرتے ہیں، اس کے بعد سلام کے معنی بیان کرتے ہیں کہ ’لغت میں ہر آفتِ ظاہرہ و باطنہ سے خلاصی اور ہر مکروہ شی اور عیب سے سلامتی کو ’سلام‘ کہتے ہیں‘‘۔ اس کے بعد وہ اس اسم کی تشریح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’السلام: کلماتِ جامعہ اور اللہ کے بہترین ناموں میں سے ایک نام ہے۔ باری تعالیٰ کے اس نام میں کمال اور اعلیٰ درجے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے سالم و محفوظ ہے، یعنی وہ اولاد، بیوی، لہو ولعب، نظیر و مثیل سے پاک، الوہیت، ربوبیت اور عبودیت میں شرکاء سے مستغنیٰ (بے نیاز) اور اپنی ذات و صفات میں مخلوق کی ہر طرح کی مشابہت سے ماوراء ہے‘‘۔ اس کے بعد وہ اس کے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’اس اسم کا تقاضا ہے کہ بندہ مخلوق سے اپنی سلامتی طلب کرنے کے بجائے اسی ذاتِ واحد سے سلامتی اور امان طلب کرے، اپنے دین کی حفاظت، بدعت اور نافرمانی میں پڑنے سے اسی سے پناہ حاصل کرے۔ اس اسم کا تقاضا یہ بھی ہے کہ بندہ اپنی زبان اور افعال سے کسی اہل ایمان کو ذیت نہ پہنچایے‘‘۔

اللہ کے ذاتی نام ’اللہ‘ کے علاوہ ننّانوے (۹۹) صفاتی نام ہیں۔ ان کو دراصل ’اسماء حسنیٰ‘ کہا جاتا ہے۔ یہ نام اگرچہ قرآن کریم میں صراحت سے مذکور نہیں ہیں۔ احادیث میں یہ صفاتی نام ملتے ہیں، مگر ان سے متعلق جو روایات ہیں، ان میں مذکور تمام اسماء کو جمع کیا جائے تو ان کی تعداد سو سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ اسماء حسنیٰ پر مشتمل یہ روایات کسی صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں۔ یہ روایات سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں ملتی ہیں۔

اسماء حسنیٰ کی تشریح و توضیح اور ان سے متعلق مباحث کے حوالے سے کہا جا سکتا ہے کہ مصنف کی یہ ایک بہترین کاوش ہے۔ یہ کتاب ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہارڈ باؤنڈ میں ہے۔ امید ہے، علمی حلقوں میں اس کی پذیرائی ہوگی اور اس سے استفادہ کیا جائے گا۔ [اسی موضوع پر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی تفسیر ’تفہیم القرآن‘ سے مولانا عبد الوکیل علوی کی مرتب کردہ کتاب ’الاسماء الحسنیٰ‘ کے نام سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوئی ہے۔]

(محمد تحسین زماں)

سفر جمال (محمد رسول اللہ ﷺ کی جمالیاتی مزاحمت کی پرعزم داستاں) **میاں انعام الرحمن**

ناشر: لدھیانہ پبلی کیشنز، گوجرانوالہ، پاکستان، صفحات: ۱۶۴، قیمت: ۲۰۰/- (پاکستانی)

تاریخ میں کسی انسان کے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے نہیں لکھا گیا جتنا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر لکھا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود عجائباتِ قرآن کی طرح عجائباتِ سیرت لامتناہی ہیں۔ سیرت نبویؐ کے بہت سے گوشے ہنوز پردہ میں اور محققین کے لیے چیلنج ہیں۔ پروفیسر میاں انعام الرحمن بھی ان خوش بختوں میں شامل ہیں جن کو سیرت النبیؐ کے موضوع سے خصوصی دل چسپی ہے۔ ان کی کتاب 'سفر جمال' اس کا بیّن ثبوت فراہم کرتی ہے۔ انھوں نے اپنے نتائجِ تحقیق کو سیرت نگاری کے انیس (۱۹) اصول وضوابط کی شکل میں مرتب کیا ہے۔ ان کے بہ قول ان اصول کو پیشِ نظر رکھنے سے سیرت نبویؐ کے آفاقی پہلوؤں کی تفہیم ممکن ہے۔

ابتدا میں ڈاکٹر محمد اکرم ورک نے کتاب کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔ کتاب ایک مبسوط مقدمہ اور تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول ہی اصل کتاب ہے، جب کہ باب دوم تعلیقات اور باب سوم الحاقات پر مشتمل ہے۔ 'سیرت رسول ﷺ اور ہجرت: ایک معنوی مطالعہ' کے عنوان کے تحت فاضل مصنف نے ہجرت کے واقعات سے حاصل ہونے والے دروس اور نصائح کو بیان کیا ہے۔ باب دوم 'تعلیقات' کے تحت دو مضامین: 'ہجرت اور نماز' اور 'عزم اور تکبر' شاملِ کتاب ہیں۔ بہ ظاہر ان دونوں مضامین کا سیرتِ نبویؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ باب سوم 'الحاقات' کے تحت بھی دو مضامین کو شامل کیا گیا ہے: 'بعثت نبویؐ کے عصری مکاشفے' اور 'اصالتِ دین کی تلاش میں حدیث کا تاریخی کردار'۔ اول الذکر مضمون میں فاضل مصنف نے اس سوال سے بحث کی ہے کہ ''نبی خاتم ﷺ کی بعثت اٹھارویں یا اکیسویں صدی کے بجائے آخر ساتویں صدی میں خطۂ عرب ہی میں کیوں ہوئی؟'' مصنف کا خیال ہے کہ آج نوعِ انسانی جن مسائل کے سامنے مضطرب اور حیران و پریشان کھڑی ہے، ان کے دیرپا اور جامع وسنجیدہ حل کی اساس اسی سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے۔ (ص ۱۴۴) بلاشبہ اس مضمون سے بعض الجھنیں دور

ہوں گی، مگر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

زبان و بیان کے پہلو سے کتاب ثقیل ہے، مگر اپنے مواد اور لوازمات کے پہلو سے بھر پور ہے۔ فاضل مصنف نے اپنی ہر بات تحقیق کے بعد اور قرآن و حدیث کے دلائل کی بنیاد پر رکھی ہے۔ امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس کتاب کا استقبال کیا جائے گا۔

(عبدالحی اثری)

ڈاکٹر محمود احمد غازی: حیات، افکار اور افادات مرتبین: ابو عمار زاہد الراشدی/ محمد عمار خان ناصر

ناشر: مکتبہ الحیات، گاو کدل، سرینگر (کشمیر) سنہ اشاعت: ۲۰۱۶ء، صفحات: ۷۰۸، قیمت: ۶۰۰/روپے

ڈاکٹر محمود احمد غازی (۱۹۵۰۔۲۰۱۰ء) ایک علمی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ ایک ممتاز مفکر، محقق اور مصنف، قدیم و جدید علوم کے ماہر اور علم و فکر کے ہمہ جہت اور ہمہ گیر تابندہ ستارہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گونا گوں علمی و عملی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ انھیں علوم اسلامیہ کے ہر شعبہ میں مہارت حاصل تھی۔ متنوع اور خدا داد صلاحیتوں کی وجہ سے ان کی علمی و فکری خدمات قابلِ قدر ہیں اور لوگ ان کے علمی سرمایہ سے بڑے پیمانے پر مستفید ہو رہے ہیں۔ وہ سات زبانوں کے ماہر تھے اور ان زبانوں میں تحقیق و تصنیف اور خطابت کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ ان کی علمی، دینی اور فکری خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ محاضرات کی انمول سیریز (محاضرات قرآن، محاضرات حدیث،، محاضرات سیرت، محاضرات فقہ، محاضرات معیشت و تجارت) تیار کر کے ڈاکٹر صاحب نے زبردست علمی کارنامہ انجام دیا ہے جو انہیں صدیوں زندہ رکھے گا۔ ان کی علمی اور عملی زندگی ہر لحاظ سے قابل رشک ہے، کیوں کہ وہ علم و تقویٰ کا حسین امتزاج تھے۔

زیر نظر کتاب 'ڈاکٹر محمود احمد غازی: حیات، افکار اور افادات'، جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے، مرحوم کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ سوانح پر ہے۔ اس میں پینتیس (۳۵) مضامین ہیں۔ دوسرے حصے

میں اٹھارہ (۱۸) اہل علم کے مختصر پیغامات وتاثرات شامل ہیں۔تیسرا حصہ ان کے افکار کے تعارف پر مشتمل ہے۔اس میں دس (۱۰) معروف علماء نے ان کی شخصیت، افکار اور علمی کارناموں پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔چوتھے حصے میں مرحوم کے منتخب افادات ہیں، نیز ان کے غیر مطبوعہ خطبات، خطوط، تقریظات اور انٹرویوز شامل ہیں۔پانچویں حصے میں تعزیتی نشستوں کی روداد بیان کی گئی ہے۔

ڈاکٹر غازی کی بیٹی ماریہ اپنے مضمون میں لکھتی ہیں: ''دنیا کے لیے بلا شبہ وہ ڈاکٹر محمود غازی تھے، مگر ہمارے لیے صرف بابا تھے۔انھوں نے کبھی گھر میں یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ کتنے بڑے آدمی تھے۔ان کے علم وتقویٰ کے بارے میں تو خاندان والوں کو بخوبی علم تھا، مگر دنیا ان سے کتنی محبت رکھتی ہے، اس کا اندازہ ان کے انتقال کے بعد ہوا۔(ص ۴۷) مولانا ابوعمار زاہد الراشدی نے اپنے مقالے میں ان کی فکر پر جامع تبصرہ کیا ہے۔انھوں نے لکھا ہے: ''ڈاکٹر محمود غازی کو عام طور پر یونی ورسٹی کی دنیا کا آدمی سمجھا جاتا رہا ہے، حالاں کہ وہ اصلاً دینی مدارس کے ماحول کے آدمی تھے اور جدید تعلیم کی دنیا میں روایتی دینی حلقوں کی بھرپور اور کام یاب نمائندگی کر رہے تھے۔جدید ماحول میں آج کے اسلوب اور اصطلاحات میں دینِ اسلام اور امتِ مسلمہ کے روایتی اور اجماعی موقف کی جس کام یابی کے ساتھ نمائندگی کرتے تھے، مجھے اس معاملے میں بلا مبالغہ کوئی ثانی دکھائی نہیں دے رہا ہے۔علم وفکر میں توازن کے حوالہ سے وہ اپنے معاصرین میں سب سے نمایاں تھے۔'' (ص:۵۵) ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر نے اپنے مضمون میں محاضرات کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ''ان میں گفتگو کا تناظر کتابی نہیں، بلکہ واقعی ہے۔دوسرے لفظوں میں وہ معاصر فکری تناظر سے کٹا ہوا نہیں، بلکہ اس سے جڑا ہوا ہے۔صاحبِ محاضرات نے جدید ذہن میں پیدا ہونے والے سوالات اور اشکالات کے اہم گوشوں پر اپنا تجزیہ تفصیلاً پیش کرنے کے علاوہ بہت سے ذیلی اور جزوی امور پر ایسے اشارات بھی بیان کیے ہیں جنھیں بوقتِ ضرورت اجمال سے تفصیل میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔'' (ص ۲۰۵) ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی نے ڈاکٹر محمود غازی کی مجتہدانہ بصیرت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: ''اعلیٰ درجہ کا تفکر اور تحقیقی نقطہ نظر ان کی ہر تحریر سے عیاں ہے۔اس

طرح وسعتِ مطالعہ اور مسلسل غور و فکر نے ان کی سوچ کو مجتہدانہ بنا دیا تھا۔ چنانچہ ایک عالمی فقہ کا تصور اور کسی ایک فقہ میں محصور نہ ہونا ان کی مجتہدانہ فکر کی کا غماز ہے۔" (ص:۲۹۰) حافظ برہان الدین ربانی نے 'محاضرات قرآ" کو اپنی گفتگو کا موضوع بنایا ہے اور لکھا ہے: "محاضرات قرآنی اس لحاظ سے بڑی خصوصیت کی حامل ہے کہ اس میں قرآنیات کے حوالے سے تقریبا تمام موضوعات کا احاطہ کرنے اور طویل و دقیق موضوعات کو عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس کوشش میں بڑی حد تک کام یابی حاصل ہوئی ہے۔" (ص:۳۶۷) ڈاکٹر علی اصغر شاہد نے 'محاضراتِ سیرت' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: "ان میں مشرق و مغرب سے اٹھنے والے بے شمار اعتراضات کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔" (ص:۲۶۳) جناب محمد یوسف ایڈووکیٹ نے 'محاضراتِ فقہ' کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "خطبات کا یہ مجموعہ معلومات کا خزینہ ہے۔ اس میں فقہ کی ترتیب وارتقاء میں تاریخی پس منظر کو بہت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ دیگر اصول اور نظام ہائے قانون پر فقہ اسلامی کی برتری ثابت کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ ان کا اندازِ استدلال بڑا جان دار اور مؤثر ہے۔" (ص:۳۹۳) پروفیسر میاں انعام الرحمٰن نے اپنے مقالے میں' محاضراتِ معیشت و تجارت' کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے۔ یہ مقالہ ستّر (۷۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر موصوف نے لکھا ہے: "محاضراتِ معیشت و تجارت اس لحاظ سے مفید ہیں کہ ان میں روایتی معاشی مباحث کو عصری اسلوب کا جامہ پہنایا گیا ہے۔" (ص ۴۶۷)

اس اشاعت پر مدیران مولانا ابو عمار زاہد الراشدی اور ڈاکٹر محمد عمار خان ناصر مبارک باد کے مستحق ہیں، جنھوں نے اس کی ترتیب و تدوین میں غیر معمولی محنت کی ہے اور ڈاکٹر جوہر قدوسی بھی مبارک باد کے مستحق ہے کہ انھوں نے اس کی اشاعتِ نو میں خصوصی دل چسپی لی۔ ڈاکٹر غازی صاحب کی حیات خدمات پر مشتمل یہ مجموعہ ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔ اسلامی مفکرین کی سوانح حیات میں یہ ایک عمدہ اضافہ ہے۔ امید ہے کہ قارئین اس کتاب کو پسند کریں گے۔ (مجتبیٰ فاروق)

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۶۶)

☆ صدر ادارہ وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری کی نئی کتاب ’راہیں کھلتی ہیں‘ مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نے خوبصورت ٹائٹل اور عمدہ طباعت کے ساتھ شائع کی ہے۔ یہ کتاب اصلاً مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس میں مولانا کی وہ تقاریر جمع کی گئی ہیں جو انھوں نے مختلف اوقات میں کی ہیں، یا وہ خطبات ہیں جو انھوں نے عیدین کے موقع پر مرکز جماعت کی مسجد اشاعت اسلام میں دیے ہیں۔ ان مضامین میں امت مسلمہ کو اس کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ملکی اور بین الاقوامی ناسازگار حالات میں اس کے اندر حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ صفحات: ۱۵۲، قیمت: ۹۵؍روپے، مجلد: ۱۴۰؍روپے۔

☆ مولانا کی متعدد کتابوں اور کتابچوں کے نئے ایڈیشن اس عرصے میں منظر عام پر آئے ہیں: مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں، طبع ہشتم، صفحات ۵۶، قیمت: ۴۲؍روپے۔ جماعت اسلامی ہند: پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار، طبع ہشتم، صفحات: ۷۲، قیمت: ۴۳؍روپے۔ اسلام۔ایک دین دعوت، صفحات ۳۲، قیمت۔/ ۲۵ روپے، فقہی اختلافات کی حقیقت، طبع چہارم، صفحات ۲۴، قیمت۔/ ۲۵ روپے، ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟ طبع ہفتم، صفحات: ۲۴، قیمت۔/ ۱۸روپے۔

☆ ’عورت اور اسلام‘ مولانا سید جلال الدین عمری کی مقبول کتابوں میں سے ہے۔ ہندی، گجراتی، تمل اور انگریزی میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ حال میں اس کے نظر ثانی شدہ ایڈیشن کا نیا انگریزی ترجمہ، جو جناب پرویز شبیر منڈوی والا نے کیا ہے، مرکزی مکتبہ سے شائع ہوا ہے۔ صفحات: ۱۵۲، قیمت۔/ ۹۵روپے۔

☆ ادارہ کی علمی سرگرمیوں کا ایک جز توسیعی خطبات کا انعقاد ہے۔ اس کے تحت ۱۹؍نومبر ۲۰۱۷ کو ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی، سابق صدر شعبۂ اسلامک تھیالوجی، عالیہ یونی ورسٹی کلکتہ (مغربی بنگال) نے ’سیرت نبوی ﷺ اور مستشرقین کا انداز فکر‘ کے موضوع پر توسیعی خطبہ پیش کیا۔ ڈاکٹر عبد المجید خان (پروفیسر اسلامک اسٹڈیز) نے صدارت کی۔ آخر میں سامعین نے سوالات کیے، جن کے فاضل مقرر نے جوابات دیے۔ نظامت کے فرائض مولانا محمد جرجیس کریمی (معاون سکریٹری ادارہ) نے ادا کیے۔ دوسرا توسیعی خطبہ ۱۰؍دسمبر ۲۰۱۷ کو منعقد ہوا، جس میں پروفیسر عبید اللہ فہد (چیرمین شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) نے ’اسلامی تحریکوں کا تنوع‘ کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ ڈاکٹر ظفر الاسلام اصلاحی نے اس

پروگرام کی صدارت کی۔ پروگرام کی نظامت، مولانا محمد جرجیس کریمی نے کی۔

☆ مورخہ ۱۷ / دسمبر ۲۰۱۷ کو جنوبی ہند کی معروف و مشہور درس گاہ جامعہ دارالسلام عمرآباد کا انچاس (۴۹) طلبہ و اساتذہ پر مشتمل ایک وفد علی گڑھ آیا۔ اس کے قیام و طعام کا نظم ادارے میں کیا گیا۔ اس موقع پر طلبہ کے ساتھ ایک نشست منعقد ہوئی جس میں ارکانِ ادارہ نے تحقیق و تصنیف کے اصول و آداب کی وضاحت کی۔

☆ ۲۶۔ ۲۷/ نومبر ۲۰۱۷ میں ادارۂ علوم القرآن علی گڑھ میں 'عروج و زوال کا قرآنی تصور' کے موضوع پر دو روزہ سمینار منعقد ہوا۔ اس میں ارکانِ ادارہ نے مقالات پیش کیے۔ مولانا محمد جرجیس کریمی نے 'ہندوستان میں زوال کے اسباب' کے موضوع پر، مولانا کمال اختر قاسمی نے 'مسلمانوں کا زوال۔ سنت الٰہی اور اس کے محرکات' کے موضوع پر اور جناب مجتبیٰ فاروق نے 'مولانا مودودیؒ کا نظریہ عروج و زوال' کے موضوع پر مقالات پیش کیے۔

☆ مورخہ ۲۰ / اکتوبر ۲۰۱۷ء کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی نے مارواڑ مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے اشتراک سے مولانا آزاد یونی ورسٹی جودھ پور (راجستھان) میں ایک سمینار منعقد کیا۔ اس میں رکنِ ادارہ جناب مجتبیٰ فاروق نے 'تکثیری سماج میں اسلام کی نمائندگی' کے موضوع پر مقالہ پیش کیا۔

☆ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸/ دسمبر ۲۰۱۷ کو 'اسلامیات میں غیر مسلموں کی خدمات' کے موضوع پر رضا لائبریری، رام پور میں سہ روزہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس میں بھی جناب مجتبیٰ فاروق نے شرکت کی اور 'اسلامیات میں ایم۔ این۔ رائے کی خدمات' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

☆ ادارہ کی سرپرستی میں رائٹرس فارم کے پروگرام برابر جاری ہیں۔ مورخہ ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۷ کو ایک پروگرام منعقد ہوا، جس میں ڈاکٹر نذیر احمد علائی نے 'سرسید احمد خاں کی تفسیر۔ ایک جائزہ' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔ مولانا اشہد جمال ندوی نے اس کی صدارت کی۔ دوسرا پروگرام ۱۳/ نومبر ۲۰۱۷ء کو ہوا، جس میں 'ہندوستان پر مسلمانوں کے احسانات' کے عنوان سے جناب عبد اللہ شمیم ندوی نے مقالہ پیش کیا۔ اس پروگرام کی صدارت ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی (مہتمم مدرسہ اسلامیہ علی گڑھ، شاخ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے فرمائی۔ تیسرا پروگرام ۳۰/ دسمبر ۲۰۱۷ء میں ہوا، جس میں 'خودکشی: اسباب اور حل' کے عنوان پر جناب سراج کریم سلفی نے مقالہ پیش کیا۔ اس پروگرام کی صدارت ڈاکٹر محمد غطریف شہباز ندوی (مدیر ماہ نامہ افکار ملی، نئی دہلی) نے فرمائی۔ ☆☆☆

ISSN:2321-8339

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

TAHQEEQAT-E-ISLAMI
ALIGARH

Vol. 37 No.1

January - March 2018

Editor

Syed Jalaluddin Omari

Asstt. Editor

Muhammad Raziul Islam Nadvi

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93
ALIGARH - 202 002 (INDIA)
www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

CONTENTS

1. **The Problems of Muslim Ummah and Their Solution in the Present Scenario of the Country** 5

Syed Jalaluddin Umari

2. **The History of Faith in Inimitability of the Qur'an** 13

Professor Abu Sufyan Islahi

3. **Attar Studies in Iran** 25

Laila Abdi Khojaste

4. **Governance in the Light of Prophetic Teachings** 49

Dr. Hafiz Mansha Tayab

5. **Imam Tabari and His Tafsir Jami al-Bayan** 71

Dr. Ihsanullah Fahad

6. **The Sources of Seerah at a Glance** 87

Dr. Akram Zia al-Umari

Tr.Dr Muhammad Salahuddin Umari

7. **Book Reviews** 113

Activities of Idara-e- Tahqee-o-Tasneef-e-Islami 119

Abstract of the Articles

The Problems of Muslim Ummah and Their Solution in the Present Scenario of the Country

Syed Jalaluddin Umari

President Idara -e-Tahqeeq-o- Tasneef-e- Islami

& Amir Jamaat-e-Islami Hind

In the present scenario Maulana Syed Jalaluddin Umari addressed the Muslims in the various parts of the country. This article has been compiled on the basis of extracts therefrom, and after review made by the Maulana it is being published here for the benefit of readers.

The Maulana said the situation prevailing in the country as well as at the international level is not congenial to the Muslims. Islam and the Muslims are being presented as potential danger. The Muslims find themselves confronted with dangers in their own country. They are victim of backwardness in both educational and economic fields. Courts pronounce verdicts against their personal laws and the Government too wants to change them by way of legislation. But there is no need for being disheartened. The Muslims should make concerted efforts to change the very direction of the situations. They should raise voice against oppression and injustice irrespective of whosoever is targeted. They should act upon the Islamic teachings as much as they can. God willing, the situation shall change and their problems shall be solved.

The History of Faith in Inimitability of the Qur'an (in the Light of the Thoughts of Professor Abdul A'leem)

Professor Abu Sufyan Islahi
asislahi@gmail.com

Professor Abdul A'leem (1907-1976), former Vice Chancellor of Aligarh Muslim University, Aligarh, did his Ph.D. from Bonn University, Germany. A gist of his thesis was published as 'Aqeeda-e-Aijaz-e-Qur'an ki Tareekh' (The History of Faith in Inimitability of the Qur'an) by Urdu Academy, Jamia Millia Islamia, New Delhi in 1932. This article analyses the views of Dr. Abdul A'leem in the light of this book.

Professor Abdul A'leem, in his thesis, has proved that with whatever angle you study the Qur'an, you will find the world unable to present the like of its inimitability. He has also discussed the order and coherence in the Surahs of the Qur'an as well as Ilm al-Qur'an (learning to understand the Qur'an) and its allied subjects.

The writer has introduced all these in great detail. He has also disagreed to some of Dr. Abdul A'leem's research findings; for example, that the art of book writing was almost non-existent among the Arabs or that there was less variety in the poetry of the days of Jihiliyah (Ignorance).

Attar Studies in Iran (In the Light of the Research of Dr. Muhammad Reza Shafii Kadkani)

Laila Abdi Khojaste
lailaabdikhojaste@gmail.com

Faridudin Attar Neishabouri (627-553 AH) is a distinguished Persian mystic poet. His notable work is 'Tazkirah Al-Auliya'(prose). Attar's works have been edited by great Iranian scholars such as Forouzanfar, Gogarin and Zarrinkub as well as German scholar Helmut Ritter. During the past 20 years, Dr. M. Reza Shafii Kadkani has edited Attar's five works: 'Manteq Al-Teir', 'Musibat Nama', 'Mukhtar Nama', 'Elahi Nama' and 'Asrar Nama'.Comparing to those, Shafii Kadkani's editions' advantage is his access to valid versions which are closer to the author's time. Each one of them consists of outstanding preface and unchallengeable annotations. His deep studies on Attar's works along with the carefulness and evolution took place during the past 40 years in the process of correction have led his correction to be one of the most perfect ones on Attar's works.

This article describes these five analytical corrections.

Establishment of Law and Order in Islamic State

Dr. Hafiz Mansha Tayyib
Government Arif Higher Secondary School,
Mustafabad, Lahore, Pakistan
hafiztayab@gmail.com

With regard to social life Islam enjoins such etiquette as can establish and maintain order and discipline in society. It

wants its believers to follow this etiquette in letter and spirit. To ensure this it trains them from the various angles. Whether it is the system of Ibadah or the chain of battles, individual dealings or collective ones, the commandments of what to do and what not are expressly taught. Rights and duties have been determined and all people have been made bound thereto. They have been enjoined to keep from disorder, chaos and civil strife. Virtues have been instructed and vices prohibited. To practise equity and justice has been ordained. The Islamic State has been made duty-bound to do planning to deal with problems, enact laws for this purpose and implement those laws equally upon all citizens. To ensure this it is essential that rights and duties are distributed in a properly equitable manner and the system of accountability is made effective.

This article discusses all these points in great detail and illustrates them in the light of Qur'an and the teachings of Allah's Messenger (peace and blessings of Allah be to him).

Imam Tabari and His Tafsir Jami al-Bayan

Dr. Ehsanullah Fahad
Associate Professor, Dept. of Theology (Sunni),
Women's College
Aligarh Muslim University, Aligarh
e.fahad1970@rediffmail.com

Allama Abu Jafar Muhammad ibn Jarir al-Tabari (d. 310H) achieved fame in the fields of Tafsir, Hadith and

History. His exegesis, Tafsir Jami al-Bayan fi Tafsir al-Qur'an is one of the very first and basic sources of Tafsir literature. It is based on Tafsir bil Ma'thur (i.e. exegesis derived from other Qur'anic Ayahs, Sahih Ahadith, or Established Sunnah). Besides it also derives arguments from Arabic dictionary and poetry. There are also jurisprudential discussions therein. However it avoids Tafsir bil Ra'y (i.e. exegesis derived from personal interpretation).

This article throws light in brief on the life of Imam Tabari, presents salient features of his Tafsir and illustrates them with examples.

The Sources of Seerah at a Glance

Dr. Akram Zia al-Umari
Tr. Dr. Muhammad Salahuddin Umari
prof.umari@rediffmail.com

The Prophet's Seerah is studied with the help of the various sources. Some of them are fundamental and some others subsidiary. Fundamental sources are the Qur'an, Prophet's Hadith, Books of Shamael, Seerah Books and History Books. Subsidiary sources include those sources which are not directly related to Seerah literature and deal with other subjects but are somehow useful in the Seerah study; for example, Arabic literature, poetic anthologies, biografies, books on geography, jurisprudence and genealogy

as well as dictionaries.

This article introduces all sources of Prophetic Seerah (fundamental and subsidiary) and presents their value and significance.

BOOK REVIEWS

1. Asmae Husna (Allah's Names)Dr Muhammad Saleem Qasmi ,Universal Book House , Aligarh;2017; Pages: 184; Price: IRs. 250/-

Reviewed by Mr.Muhammad Tahsin Zaman

2. Safar -e- Jamal (Beautiful journey) Miyan Inam ur Rehaman, Ludhiyana Publications, Gojranvala, Pakistan, 2017; Pages: 164; Price: PRs. 200/-

Reviewed by Mr. Abdul Hai Asari

3. Dr Mahmood Ahmad Ghazi,by Ml Zahid Al-Rashidi and Dr. Muhammad Ammar Khan Nasir , Maktaba Al-Hayat, Gao kadal, Srinagar , Kashmir, 2016; Pages: 608; Price: IRs. 600/-

Reviewed by Mr. Mujtaba Farooq

رسائل ومسائل

[تدوینِ نو]

جلد دوم

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

پیشِ نظر کتاب کے اب تک پانچ حصے الگ الگ شائع ہوتے رہے ہیں۔ ان میں موضوعات کی تکرار پائی جاتی تھی۔ پرانی ترتیب میں بسا اوقات ایک ہی مسئلے کے لیے پانچوں حصوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، جو کسی قدر مشکل اور قاری کو اکتا دینے کا باعث ہوتا تھا۔ حوالہ جات کا باقاعدہ اہتمام بھی نہ تھا، ان کے علاوہ بعض فنی خامیاں بھی تھیں جن کی بنا پر اس کی تدوین نو کی گئی۔ اب اسے دو حصوں میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جلد اول پہلے ہی منظر عام پر آچکی ہے۔

جلد دوم میں سیاسیات، معاشیات، تعلیمات، اسلام اور سائنس، جدید فقہی مسائل، تصوف، تزکیہ اور اخلاق، انبیائے کرام علیہم السلام، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، اختلاف امت اور راہ اعتدال، اسلام اور دیگر مذاہب، اقامتِ دین، تحریک اسلامی اور تحریکی و شخصی مخالفتیں کے ابواب شامل ہیں۔ آخر میں مشکل الفاظ اور ان کے معانی بھی تحریر کیے گئے ہیں۔

جلد اول	سائز: 20x30/8	صفحات: 600	قیمت: ₹500.00
جلد دوم	سائز: 20x30/8	صفحات: 584	قیمت: ₹525.00

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone:26981652,26984347 Mob: 7290092401
E-mail: mmipublishers@gmail.com • **Website:** www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-8881854504
+91-9897746586

January 2018

March 2018

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیاتِ قرآن	۳۲۵/	۲۲	اوراقِ سیرت	۲۵۰/
۲	اسلام-انسانی حقوق کا پاسبان	۹۰/	۲۳	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/	۲۴	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۴	کمزور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/	۲۵	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۵۰/	۲۶	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/
۶	خدا اور رسول کا تصور-اسلامی تعلیمات میں	۱۴۰/	۲۷	خدا کی غلامی-انسان کی معراج	۱۴/
۷	معروف و منکر	۱۸۵/	۲۸	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۸	اسلام کی دعوت	۲۰۰/	۲۹	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۸۵/	۳۰	انفاق فی سبیل اللہ	۳۵/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۱	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۶/
۱۱	تہذیب و سیاست کی اسلامی قدریں	۶۵/	۳۲	انسانوں کی خدمت-اسلام کی نظر میں	۱۶/
۱۲	عورت-اسلامی معاشرے میں	۱۸۰/	۳۳	جماعت اسلامی ہند-پس منظر، خدمات اور طریقۂ کار	۳۵/
۱۳	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۱۰۰/	۳۴	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۵/
۱۴	عورت اور اسلام	۶۰/	۳۵	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۵	اسلام کا عائلی نظام	۹۰/	۳۶	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۳۵/	۳۷	بچے اور اسلام	۱۰/
۱۷	قرآن کا نظام خاندان	۲۲/	۳۸	خاندان کی اصلاح اور اولاد کی تربیت	۲۰/
۱۸	اسلام-ایک دینِ دعوت	۱۰/	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۵/
۱۹	دعوت و تربیت-اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۲۰	راہیں کھلتی ہیں	۱۴۰/	۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۲۱	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۸/	۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۴/

ملنے کے پتے:
۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵